فتاویٰ عالمگیری

اور

اس کے مؤلفین

مؤلفہ

مجیب اللہ ندوی

ناشر

تاج کمپنی

فتاویٰ عالمگیری

اور

اس کے مؤلفین

مؤلفہ
مجیب اللہ ندوی

ناشر
تاج کمپنی
ترکمان گیٹ نئی دہلی ۶

نام کتاب ــــــــــ فتاویٰ عالم گیری اور اس کے مؤلفین

مؤلف ــــــــــ مولانا مجیب اللہ ندوی

تصحیح ــــــــــ مولانا محمد عارف عمری صاحب

مطبع ــــــــــ تاج کمپنی ترکمان گیٹ دہلی ۶

باہتمام ــــــــــ شکیل احمد مہتمم مکتبہ ندوۃ التالیف والترجمہ

تعداد بار اول (ہندوستان سے) ــــــ ایک ہزار

صفحات ــــــــــ

کتابت ــــــــــ اشرف بستوی، جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

قیمت ــــــــــ 25/-

ــــــــــ (ملنے کا پتہ) ــــــــــ

مکتبہ ندوۃ التالیف والترجمہ

جامعۃ الرشاد۔ رشاد نگر۔ اعظم گڑھ

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کا عہد حکومت اسلامی احکام کے نفاذ کے اعتبار سے تمام مغل حکمرانوں کے مقابلے میں ایک مثالی عہد حکومت مانا جاتا ہے۔ وہ خود نہایت دیندار صاحب علم متقی اور پرہیزگار حکمران تھا۔ اور اس نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ برصغیر ہند میں اسلام اپنی تمام تر خوبیوں اور جامعیت کے ساتھ برپا ہو۔ اور اسلام کا پیش کردہ عدل اجتماعی معاشرت معیشت، سیاست و عدالت میں نافذ ہو۔ خود درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ لیکن بغیر کسی تفریق مذہب وملت کے دن رات ملک کے عوام کی بہبود میں لگا رہتا تھا۔ تاہم جب اس نے اسلام کے عدالتی اور معاشرتی نظام کو مکمل طور پر نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔ تو چونکہ ملک کی مسلم اکثریت حنفی مسلک کی پابند تھی اس لئے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہ حنفی کے مطابق اس ملک کے تمام نظامات بالخصوص عدالتی نظام کو چلایا جائے۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ اسلامی دنیا میں فقہ حنفی کی کوئی ایسی مستند واحد جامع کتاب موجود[1] نہ تھی جس سے ایک عام مسلمان بآسانی کسی مفتی بہ مسئلہ کو اخذ کر سکے اور شریعت کے احکام سے بخوبی واقف ہو سکے۔ علماء اور فقہاء کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف موجود تھا اور ہر عالم کی رائے دلائل کے ساتھ کتابوں میں موجود تھی۔ جب کسی شخص کو ان مسائل

[1] عام طور پر دستیاب نہ تھی۔

کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا ہوتی تھی تو کسی ایک حتمی رائے پر پہنچنے کے لئے ضروری تھا کہ فقہ کی سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی جائے۔ نیز یہ کام اس وقت تک انجام نہیں پاسکتا تھا جب تک کہ کسی شخص کو علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل نہ ہو، اور بہت سی مبسوط کتابیں اسے میسر نہ ہوں اندازہ لگائیے کہ حکم صحیح اور حق صریح کو معلوم کرنے میں عام اہل علم کو کس قدر دشواریاں پیش آتی ہوں گی۔ ان حالات کے پیش نظر شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے فیصلہ کیا کہ ایک ایسی جامع اور مبسوط حنفی فقہ کی کتاب مرتب کرائے جو دیگر کتب فقہ سے بے نیاز کر دے اور فقہ کی تمام جزئیات کو محیط ہو نیز ہر حکم مفتی بہ ہو۔ اس کام کی انجام دہی کے لئے عالم گیر نے دہلی کے علاوہ سلطنت مغلیہ کے اطراف واکناف سے ایسے علمار جمع کئے جنھیں علم فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی اور انھیں حکم دیا کہ مختلف کتابوں کی مدد سے ایک ایسی جامع اور مستند کتاب تیار کریں جس میں نہایت تحقیق کے ساتھ تمام مسائل جمع کئے جائیں تاکہ حکام اور علمائے احناف دیگر حنفی کتب فقہ سے مستغنی ہو جائیں۔ علمار کی اس جماعت کی صدارت کے منصب پر شیخ نظام الدین برہان پوری کو مقرر کیا گیا اور کام کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ایک ایک حصے کی تدوین وترتیب کا ایک ایک عالم کو ذمہ دار بنا دیا گیا اور ہر عالم کی مدد کے لئے دس دس علمار مقرر کئے گئے۔ بادشاہ رات میں فرصت کے اوقات میں خود مسودات پڑھوا کر سنتا اور جہاں ضروری سمجھتا تنقید کرتا اور مشورہ دیتا۔ اس طرح فتاویٰ عالم گیری کی تدوین عمل میں آئی۔ عالم گیری سکے کے دو لاکھ روپے علمار کے وظائف پر خرچ کئے گئے اور تقریباً سات آٹھ سال کی مدت میں یہ کام مکمل ہوا۔ یعنی ۱۰۶۷ھ اور ۱۰۷۵ھ کے لگ بھگ یہ کام شروع ہو کر

۱۰۸۲ھ کے قریب اختتام کو پہنچا۔ اس کام کی انجام دہی میں تقریباً پچاس علمار شریک ہوئے۔ اور کتب خانہ شاہی سے ایک سو تیس کتابیں حوالے کے لئے لی گئیں۔ چونکہ یہ کام شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے انجام دلوایا تھا اس لئے اس کا نام فتاوئ عالم گیری رکھا گیا اور چونکہ اس کی نیت میں کوئی کھوٹ نہ تھا اس لئے اس کتاب کو ساری دنیا میں قبول عام حاصل ہوا اور فقہ حنفی میں ہدایہ کے بعد اس کا درجہ مانا گیا ہے اور آج بھی فقہ حنفی کی اس سے زیادہ واضح اور مبسوط کتاب دنیا میں موجود نہیں۔

فتاوئ عالم گیری کے مسودے کی ترتیب میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا اور پھر اس پر نظر ثانی بھی کی گئی اور خامیوں اور فروگزاشتوں کو دور کیا گیا ان احتیاطوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کتاب خامیوں اور غلطیوں سے کافی حد تک پاک ہے۔ صاحب مرأۃ العالم کا بیان ہے کہ فتاوی عالم گیری کا فارسی میں بھی ترجمہ ہوا ہے اور یہ کام چلپی عبداللہ رومی نے انجام دیا مگر ان کا ترجمہ اب ناپید ہے۔ اس کا اردو ترجمہ سید امیر علی نے کیا ہے جو دس جلدوں میں مطبع نول کشور لکھنو فتاوئ ہندیہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۱۹۵۰ء میں اس کے منتخبات کا انگریزی ترجمہ بیلی نے A digest of Mohammatn Haneefea And Islamia in india کے نام سے شائع کیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ)

برصغیر جنوبی ایشیا میں عرصہ دراز تک فتاوئ عالم گیری کے مطابق مسلم عدالتوں کے فیصلے ہوتے رہے۔ برطانوی دور حکومت میں بھی محمڈن لار کے سلسلے میں اس کتاب کو درجہ استناد حاصل تھا اتنے عظیم کارنامے کی انجام دہی میں جن علمار نے حصہ لے کر اتنے بڑے صدقہ جاریہ کا اہتمام کیا

انہیں جاننا اور انہیں یاد رکھنا ملت کا مقدس فریضہ ہے کیونکہ جو قومیں اپنے محسنوں کو فراموش کر دیتی ہیں ماضی سے ان کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اور وہ جمود و خمول کا شکار ہو جاتی ہیں اسی مقصد کے تحت برصغیر جنوبی ایشیاء کے معروف صاحب قلم حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی نے بہت عرصہ پہلے علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند حواشی کی تحریک پر "فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین" کے حالات و سوانح جمع کر کے "معارف" میں شائع کرنا شروع کیا اور حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ نیز اس وقت کے دیگر اکابر نے ان کے اس علمی کارنامے کو بے حد پسند کیا تھا اتنا وقیع علمی کام ۱۹۴۵ء سے "معارف" کے پرچوں میں منتشر پڑا ہوا تھا الحمدللہ کہ حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی نے مرکز تحقیق (ریسرچ سیل) دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کو یہ سعادت بخشی ہے کہ مولانا موصوف کے اس عظیم علمی و تحقیقی کارنامہ کو کتابی شکل میں پیش کر رہا ہے اس علمی تعاون اور مہربانی کیلئے ہم مولانا مجیب اللہ ندوی کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو صحت و سلامتی کے ساتھ حیات دراز عطا فرمائے تاکہ مرکز تحقیق کے ساتھ ان کا یہ تعاون عرصہ دراز تک جاری رہے آمین

سید محمد متین ہاشمی
ڈائریکٹر ریسرچ سیل دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نسبت روڈ، لاہور

مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۸۸ء

دیباچہ طبع اوّل

حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ کے حکم کے مطابق راقم الحروف ۱۴ نومبر ۱۹۴۴ء کو ندوہ سے فراغت کے ڈیڑھ ماہ بعد ہی دارالمصنفین آگیا، دارالمصنفین آتے ہی حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ پہلے علم بالفہرست حاصل کرو، ان کا مقصد یہ تھا کہ کتب خانہ کی ہر فن کی کتابوں پر پہلے ایک نگاہ ڈال لو تاکہ حوالہ وغیرہ تلاش کرنے میں آسانی ہو، چنانچہ اس حکم کے مطابق صبح کو کسی فن کی الماری کے پاس بیٹھ جاتا اور دن بھر کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہتا تھا، کسی کتاب اور مصنف کا نام دیکھ لیتا اور ورق گردانی کر کے رکھ دیتا اور کچھ کتابوں کے دو چار صفحے اور کچھ کے زیادہ حصے پڑھ ڈالتا، جب رجال وطبقات کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا تو اہلِ کتاب صحابہ کے سلسلہ میں اپنی پرانی خلش کے دور کرنے کا کچھ مواد ملنا شروع ہوگیا اور اس پر کچھ لکھنا بھی شروع کردیا۔

عموماً عربی کی کتابوں کی ورق گردانی اور مطالعہ سے طبیعت گھبرا جاتی تو پھر مزہ بدلنے کے لئے اردو فارسی تذکرے اور فارسی تاریخ کی کتابوں کی ورق گردانی شروع کردیتا، اس اثنا میں کئی فارسی تاریخ وتذکرہ کی کتابوں کے شروع میں سید صاحب کے قلم سے "مؤلفین فتاویٰ عالم گیری" باریک قلم سے لکھا ہوا ملا، سید صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی کتاب کا مطالعہ کرتے تھے تو کتاب

کے شروع میں جلد سازی میں جو سادہ ورق لگے رہتے تھے اس پر اپنی یادداشت مع صفحہ لکھ دیا کرتے تھے، سید صاحب کے انھیں حاشیوں نے اس موضوع پر لکھنے کا خیال پیدا ہوا، پھر میں دوسرے کام چھوڑ کر اسی موضوع کی تیاری میں لگ گیا، اور اس کے لئے نہ صرف تاریخ وتذکرہ کی کتابوں کی ورق گردانی کی بلکہ خود فتاویٰ عالم گیری کے ماخذ کی فہرست تیار کرنے کے لئے پوری کتاب کے ایک ایک صفحہ پر نظر ڈالی اور تین چار مہینے کی محنت کے بعد جو کچھ مواد مل سکا وہ دو قسطوں میں معارف" اکتوبر و نومبر ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا، پھر اس کے بعد کئی اہل قلم نے کچھ اور مؤلفین کی نشاندہی کی اور راقم الحروف بھی اس میں وقفہ وقفہ سے اضافہ کرتا رہا، یہ ایک ایسا موضوع تھا کہ جس پر اس سے پہلے کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا، اور بحمداللہ اچھا خاصا مواد بھی اکٹھا ہو گیا تھا۔ اس لئے بہت دنوں سے خواہش تھی کہ یہ مضمون بھی کتابی شکل میں شائع ہو جاتا تو شاید اہل علم کو زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا: اور ہندوستان کے علماء کے اس عظیم کارنامے سے واقفیت ہو جاتی ہم مولانا محمد متین ہاشمی صاحب مرحوم کے بیحد ممنون ہیں کہ ان کے ذریعہ میری اس طرح کی بہت سی علمی کاوشیں جو گوشۂ گمنامی کی نذر ہو رہی تھیں منصۂ شہود پر آ رہی ہیں۔

اس موضوع کا ایک اہم کام یہ تھا کہ کوئی اسکالر پوری کتاب کا مطالعہ کر کے اس بات کی نشاندہی کرتا کہ اس کی تالیف میں اس وقت کے ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے کچھ مسائل پر علماء نے کچھ رائے دینے کی کوشش کی ہے یا نہیں؟ اور اس پر کچھ ہندوستانی اثرات پڑے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ہندوؤں کو انھوں نے شبہ اہل کتاب قرار دے کر ہندو عورتوں کی شادی مسلمانوں سے جائز قرار دیا ہے یا نہیں؟ اسی طرح معاملات کی بعض صورتیں ایسی ہیں جس میں

ہندوستانی مزاج کا کس حد تک شریعت کے دائرہ میں لحاظ کیا گیا ہے؟

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اس مضمون کا خیال حضرت سید صاحب کے حواشی سے پیدا ہوا تھا، جس وقت اس مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی اس وقت حضرت سید صاحبؒ بھوپال میں تھے، انہوں نے اسے دیکھ کر لکھا کہ "عزیزم تم نے فتاویٰ عالمگیری پر مضمون لکھنا شروع کیا ہے، میرے پیش نظر بھی یہ موضوع تھا، مگر وہ پورا نہ ہو سکا، خوشی ہوئی کہ تمہارے ذریعہ یہ کام پورا ہو رہا ہے، جو کچھ لکھو پوری تحقیق و احتیاط سے لکھو"

معارف میں یہ میرا پہلا مضمون تھا جو شائع ہوا تھا۔ اس لئے حضرت سید صاحب کے علاوہ بعض دوسرے بزرگوں نے بھی ہمت افزائی کے خطوط لکھے، مثلاً مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور مولانا سید احمد اکبر آبادیؒ نے اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ملاقات کے وقت فرمایا تھا کہ مضمون پڑھ کر یہ محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ مجیب اللہ کا مضمون ہے۔ اگر اس کتاب میں اس وقت کے معاشرہ کے پس منظر وغیرہ تفصیل کر دی جائے جیسا کہ آج کل ہوتا ہے اور ان پہلوؤں پر کچھ روشنی ڈال دی جائے جس کا میں نے ذکر کیا ہے تو یہ مضمون پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ بن سکتا ہے اور سنا ہے کہ کسی صاحب نے ایسا کیا بھی ہے۔

خدا کرے یہ کتاب مفید ہو اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کے علمی و دینی ذوق اور ہندوستانی علماء کے اس کارنامے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

خادم

مجیب اللہ ندوی

جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ

۱۲ شعبان ۱۴۰۷ھ — ۱۲ اپریل ۱۹۸۷ء

دیباچہ طبع دوم

اوپر ذکر آچکا ہے کہ پہلی بار ۸۹-۱۹۸۸ء میں یہ مضامین کتابی شکل میں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور سے شائع ہوئے، یہ ادارہ مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اپنی حیثیت پر باقی نہ رہ سکا اور وہاں سے شائع شدہ کتابوں کا حصول دشوار ہوگیا اور اہل علم کی طرف سے برابر اس کا مطالبہ ہوتا رہا، اس لئے ہندوستان میں اسے دوبارہ شائع کرنا ضروری معلوم ہوا، ایک سال پہلے ایک نوآموز کاتب نے اس کی کتابت بھی کرڈالی تھی جو پسند نہیں آئی، اس لئے دوبارہ آفسیٹ پر اس کی کتابت کرائی گئی، کتابت کے بعد طباعت کا مسئلہ تھا، گفتگو کے بعد اس کی ذمہ داری راقم الحروف کی بہت سی کتابوں کے ناشر تاج کمپنی دہلی کے مالکوں نے لے لی اس لئے یہ مرحلہ آسان ہوگیا۔ اور ہم ہندوستان کے نامور حکمران محی الدین اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس عظیم علمی و دینی کارنامے کو اہل شوق تک پہنچانے کے لائق بن سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح اس کی ترتیب کی توفیق اس نے دی ہے اسی طرح اسے مفید بھی بنائے آمین۔ فقط

خادم

مجیب اللہ ندوی

جامعۃ الرشاد۔ اعظم گڑھ

۲۵ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

۲۰ر اپریل ۲۰۰۱ء

فتاویٰ عالمگیری
اور
اس کے مؤلفین

عرب جہاں بھی گئے، اپنے ساتھ اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و معاشرت بھی لے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیا، یورپ اور افریقہ میں جس سر زمین میں انہوں نے قدم رکھا، وہاں کے مذہب کے ساتھ ساتھ تہذیب او معاشرت اور زبان کو بھی بدل دیا یا اس پر اثر ڈالا۔ اس کے برخلاف ترک و تاتار اور دوسری عجمی مسلمان قومیں جہاں گئیں ان کا مذہب تو اسلام رہا، لیکن تمدن انھوں نے اپنا پھیلایا، یا مقامی معاشرہ سے متاثر ہوئے۔ اسی لئے شام، مصر اور شمالی افریقہ کے مقابلہ میں ہندوستان میں عجمی تمدن اور عجمی مذاق کو زیادہ فروغ ہوا۔

ہندوستان میں اگرچہ صدیوں مسلمانوں کی حکومت قائم رہی لیکن اس کے تمام حکمران خانوادے اور ان کے بیشتر عمالِ حکومت عجمی تھے۔ اس لئے ان کے اثر سے یہاں زیادہ تر عقلی و عجمی علوم کا چرچا رہا، اور ان کے مقابلہ میں خالص دینی علوم تفسیر و حدیث و رجال و طبقات کی خدمت و اشاعت کم ہوئی، تاہم ہر زمانے کے اکابر علماء اپنے طور پر اس فرض کو انجام دیتے رہے، اور دینی علوم کی خدمت میں دوسرے اسلامی ممالک سے

ہندوستان کا قدم نہ صرف پیچھے نہیں رہا بلکہ انکے بعض علمی و دینی کام ایسے ہیں جس کی مثال کوئی عرب ملک بھی پیش نہ کر سکا۔ حکومت کے بیشتر قوانین بھی اسلامی تھے، خصوصاً مسلمانوں کی روزانہ زندگی کے معاملات و معاشرتی مسائل کا تعلق فقہ سے تھا۔ اس لئے ہر دور میں فقہ کی جانب خاص توجہ رہی، اور فقہ کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے گئے، اور مطولات کے مختصرات کئے گئے، فقہ و فتاویٰ کی متعدد اہم کتابیں مثلاً فتاویٰ تاتارخانیہ[1] فتاویٰ حمادیہ[2]، اور فتاویٰ ابراہیمیہ[3] تالیف ہوئیں۔ اورنگ زیب عالم گیرؒ نے فتاویٰ عالم گیری مدون کرائی جو ہندوستان کا قابلِ فخر کارنامہ اور گزشتہ فتاوے کی کتابوں میں سب سے زیادہ جامع اور ممتاز ہے۔ اول الذکر فتاویٰ افراد کی تالیف تھے۔ اور فتاویٰ عالم گیری گیارہوی صدی ہجری کے پورے ہندوستان کے منتخب علمار کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اسی لئے اس میں جو جامعیت اور جزئیات کا جس قدر استقصار ہے، وہ دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے۔ اور اس کو گزشتہ فتاویٰ میں خاص اہمیت حاصل ہے لیکن تعجب ہے کہ اب تک نہ فتاویٰ عالم گیری کے مولفین

---

[1] مؤلفہ عالم بن العلار متوفی ۷۸۲ھ [2] مؤلفہ ابوالفتح رکن بن حسام ناگوری [3] مؤلفہ قاضی نظام الدین متوفی ۹۰۸ھ اول الذکر کتابیں ان کے مصنفین کے انفرادی فتووں کا مجموعہ یا ان کی تصانیف تھیں مگر فتاویٰ عالم گیری یا فتاویٰ ہندیہ تو ایک اکیڈمک تصنیف ہے اسلئے اس کا نام فتاویٰ دینے کی بجائے کوئی اور نام دینا چاہئے تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر فقہ کی مستقل تصانیف کے لئے بھی فتاویٰ کا لفظ ہندوستان میں متداول ہوگیا تھا۔ اس لئے اسے بھی یہی نام دے دیا گیا۔

کے حالات یک جا جمع کئے گئے۔ اور نہ اس کی خصوصیات اور ماخذ پر کچھ لکھا گیا۔ اس کتاب میں اسی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱ ـــــ فتاویٰ عالمگیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں، بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی تالیف ہے۔ اس لئے وہ ان نقائص اور فروگزاشتوں سے پاک ہے، جس کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے۔

۲ ـــــ اس میں وہی مسائل لئے گئے، جو راجح اور مفتیٰ بہ یا ظاہر الروایت[1] کے ہیں، اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہیں ہے، تو نوادرات سے لے لیا گیا ہے، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ کتاب میں اس پر فتویٰ کا اشارہ موجود ہے۔

۳ ـــــ ہر مسئلہ کے بارے میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں ہے، تو دونوں کو مع حوالہ نقل کر دیا گیا ہے، اگر کسی کتاب کی لفظ بہ لفظ نقل ہے تو "کذا" لکھ دیا ہے اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لے لیا ہے، تو "ھٰکذا" سے اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۴ ـــــ ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے ماخذ کا مفصل حوالہ بھی دے دیا ہے جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ناقلاً عن فلاں کر کے اصل ماخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔

5 ـــــ یہ کتاب تقریباً آٹھ برس میں تیار ہوئی، اور کم و بیش دو لاکھ روپے اس پر صرف ہوئے۔

---

[1] چھ کتابیں ظاہر الروایت میں شمار کی جاتی ہیں، (۱) جامع کبیر۔ (۲) جامع صغیر۔ (۳) مبسوط۔ (۴) زیادات۔ (۵) السیر الکبیر۔ (۶) السیر الصغیر۔

فتاویٰ عالم گیری کے ماخذ

فتاویٰ عالم گیری فقہ کی تمام اہم اور معتبر کتابوں کا خلاصہ اور عطر ہے۔ ذیل میں فتاویٰ عالم گیری کے تمام ماخذ کی فہرست دی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ علماء نے کس جاں کاہی سے سیکڑوں خرمنوں سے خوشہ چینی کر کے فقہ و فتاویٰ کا یہ ذخیرہ جمع کیا ہے۔

(۱) ہدایہ ص ۲۔ برہان الدین المرغینانی (۲) شرح طحاوی ص ۳۔ غالباً امام بدر الدین العینی کی شرح مراد ہے (۳) ذخیرۃ العقبیٰ ص ۲۔ شرح منیۃ المصلی (۴) مضمرات ص ۳ قدوری کی شرح اس کا دوسرا نام جامع المضمرات ہے (۵) البدائع ص ۳۔ غالباً اس سے کاسانی کی بدائع الصنائع مراد ہے۔ (۶) المغنی ص ۳ (۷) عینی شرح ہدایہ ص ۴ (۸) الخلاصہ ص ۴ (۹) فرائض الزاہدی ص ۴ ابو الرجا مختار بن محمود۔ م ۶۵۸ھ (۱۰) ظہیریہ ص ۴ ظہیر الدین البخاری ب ۶۱۹ھ (۱۱) محیط ص ۴، اس نام کی دو کتابیں ہیں، ایک برہان الدین صدر الشریعہ کی تصنیف ہے۔ جو محیط البرہانی کے نام سے موسوم ہے، دوسری رضی الدین السرخسی کی جو محیط السرخسی کے نام سے مشہور ہے۔ ثانی الذکر کے بعض نسخے مصر وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں غالباً عالم گیر کے شاہی کتب خانہ میں بھی اسکا کوئی نسخہ موجود تھا، الفوائد البہیہ میں مولانا عبد الحئی نے لکھا ہے کہ اس کے بعض نسخے میری نظر سے گزرے ہیں۔ (۱۲) طحاوی یعنی امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، (۱۳) فتاویٰ قاضی خان ص ۴۔ (۱۴) شرح وقایہ ص ۴۔ (۱۵) التبیین ص ۴ امام نسفی (۱۶) محیطین ص ۴۔ شاید اس سے مراد محیط برہانی اور محیط السرخسی ہو (۱۷) السراج الوہاج ص ۴ (۱۸) فتح القدیر ص ۴ لابن ہمام (۱۹) البحر الرائق ص ۴ (۲۰) الجامع الصغیر ص ۴، امام محمد (۲۱) الجامع الوجیز ص ۴ للکردری

۸۱۲ھ کی تصنیف ہے۔ (۲۲) یتیمیہ ص ۴ (۲۳) تاتارخانیہ ص ۴ عالم بن العلاء (۲۴) فتاویٰ سراجیہ ص ۴، الادشتی الفرغانی ۵۶۹ھ میں لکھی گئی (۲۵) اختیار فی شرح المختار ص ۴، ۱ (۲۶) کفایہ شرح ہدایہ ص ۴ جلال الدین الخوارزمی (۲۷) فتاویٰ برہانیہ ص ۴ (۲۸) الجوہرۃ النیرہ ص ۴ قدوری کی پہلی شرح ابوبکر الحدادی العبادی متوفی ۸۰۰ھ (۲۹) قنیۃ المنیہ ص ۴ نجم الدین الزاہدی الفرعینی م ۶۵۸ھ (۳۰) محیط السرخسی ص ۴ (۳۱) النہر الفائق ص ۷ (۳۲) مبسوط ص ، السرخسی (۳۳) فتاویٰ الحجہ ص ۷ (۳۴) النہایہ ص ۷ (۳۵) تحفہ ص ۸ (۳۶) الصیاح ص ۸۔ (۳۷) الوافی ص ۸ (۳۸) خزانۃ الفقہ ص ۹، امام ابوللیث م ۳۸۳ھ (۳۹) الملتقط ص ۱۱ (۴۰) شرح المنیہ للحجی ص ۱۱ (۴۱) الزاد ص ۱۳ (۴۲) فتاویٰ غیاثیہ ص ۱۴ (۴۳) شمنی ص ۱۴ تقی الدین الشمنی م ۸۷۲ھ (۴۴) فتاویٰ شیخ الاسلام ص ۱۵ المعروف بخواہر زادہ ص ۸۴ (۴۵) شرح المبسوط ص ۱۶۔ اگر اس کا سراغ مل جائے تو شاید فقہ کے موضوع پر سب سے ضخیم کتاب ہوگی۔ (۴۶) عتابیہ ص ۱۷ (۴۷) منیۃ المصلی ص ۱۷ (۴۸) خزانۃ المفتیین امام حسین بن محمد المنقانی ۷۴۰ھ کی تصنیف ہے (۴۹) عینی شرح کنز ص ۲۲ (۵۰) المفید والمزید (۵۱) شرح منیہ ص ۲۲ لابن امیر الحاج (۵۲) کنز الدقائق ص ۲۴ (۵۳) خزانۃ الفتاویٰ ص ۲۷، احمد بن محمد الحنفی صاحب مجمع الفتاویٰ (۵۴) الاسرار فی الاصول والفروع ص ۲۸ ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی م ۴۳۰ھ (۵۵) شرح الزیادات ص ۲۹ (۵۶) شرح النقایہ ص ۳۵ شیخ المکارم (۵۷) الصغیری ص ۲۵ (۵۸) شرح المجمع ص ۳۶ لابن الملک (۵۹) تجنیس ص ۳۶ صاحب ہدایہ (۶۰) نصاب ص ۲۴ (۶۱) الکبیری ص ۲۴ (۶۲) تنویر ص ۲۴ شرح تلخیص جامع الصغیر (۶۳) عنایہ ص ۴۴ شرح ہدایہ (۶۴) فتاویٰ

الغرائب ص ۴۴ (۶۵) محیط السری ص ۴۵ (۶۶) فتاویٰ عتابیہ ص ۴۷ ابو نصر
عتابی م ۵۸۶ھ (۶۷) فتاویٰ قراخانی ناقلاً عن الواقعات الحسامیہ ص ۴۷
(۶۸) صیرفیہ ص ۴۸ دوسرا نام فتاویٰ آہو ہے (۶۹) مختار الفتاویٰ ص ۵۱
لابی الفضل مجد الدین الموصلی م ۶۸۳ھ (۷۰) قدوری ص ۵۱ (۷۱) شرح
منیہ ناقلاً عن الحاوی ص ۵۱ (۷۲) فتاویٰ التمرتاشی ص ۵۴ ابو محمد ظہیر الدین الحنفی
م ۶۰۰ھ (۷۳) ینابیع ص ۵۶ اسفرائینی کی ینابیع الاحکام مراد ہے یا شرح
القدوری (۷۴) شابان شرح الہدایہ ص ۵۶ (۷۵) الفتاویٰ العتابیہ المعروف
بجامع الفتاویٰ ص ۵۷ (۷۶) شرح مقدمہ ابی اللیث م ۳۸۳ھ (۷۷) مصفی
ص ۶۹ (۷۸) وقایہ ص ۷۲ (۷۹) النقایہ ص ۷۲ (۸۰) تہذیب ص ۷۸ شیخ احمد
القلانسی (۸۱) خانیہ ص ۸۵ (۸۲) جامع الجوامع ص ۸۵ (۸۳) جواہر الاخلاطی ص ۹۱
(۸۴) الحصیر ص ۹۳ (۸۵) البرجندی ص ۱۰۲ (۸۶) غایۃ البیان ص ۱۰۶ شرح
ہدایہ (۸۷) مختارات النوازل لصاحب الہدایہ (۸۸) برجندی ص ۱۰۸ (۸۹)
اقرار العیون ص ۱۱۰ (۹۰) نفقات ص ۵۷۴ (۹۱) فتاویٰ الواجیہ ص ۵۶۹۔
فتاویٰ کی کتاب ہے ظہیر الدین ابو بکر الحنفی متوفی ۷۱۰ھ کی تصنیف ہے (۹۲)
شرح نقایہ برجندی ص ۵۶۹ (۹۳) الغایہ للسروجی، ہدایہ کی شرح ابو العباس
احمد بن ابراہیم السروجی کی تصنیف ہے م ۷۱۰ھ (۹۴) المنتقی ص ۵۶۷ (۹۵)
فتاوی الکبریٰ ص ۵۷۴ حسام الدین عمر بن عبد العزیز م ۵۳۶ھ (۹۶) فتاویٰ
الصغریٰ ص ۵۲۷ حسام الدین عمر بن عبد العزیز م ۵۳۶ھ (۹۷) الواقعات
ص ۵۲۴ (۹۸) المجتبیٰ (۹۹) التحریر شرح جامع الکبیر للحصیری جمال الدین محمود
بن احمد البخاری المعروف بالحصیری م ۶۳۶ھ نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک
مفصل اور ایک مختصر، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حوالہ کس شرح کا ہے (۱۰۰) فتاویٰ

امام کرخی ص ۵۶ امام کرخی مشہور فقیہ ہیں (۱۰۱) البقالی (۱۰۲) شرح تلخیص جامع الکبیر (۱۰۳) ملخص المحیط (۱۰۴) الفصول العمادیہ، جمال الدین بن عماد الدین الحنفی (۱۰۵) الحاوی القدسی قاضی جمال الدین احمد بن محمد المتوفی ۵۹۳ھ یا ۶۰۰ھ (۱۰۶) شرح کتاب الاستحسان شمنی کی شرح شمس الائمہ حلوائی نے کی ہے۔ یہ وہی شرح ہے (۱۰۷) شرح الزیادات للعتابی، امام ابوالقاسم احمد بن محمد العتابی م ۵۸۶ھ کی تصنیف ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر ہے (۱۰۸) کتاب رزین (۱۰۹) البحر الزاخر، سراج الوہاج جو مختصر القدوری کی شرح ہے، یہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے۔ (۱۱۰) فصول الا وشنی امام مجد الدین ابوالفتح متوفی ۶۳۲ھ کی تالیف ہے (۱۱۱) فتاوی فضلی ابو عمر عثمان الفضلی متوفی ۵۰۸ھ (۱۱۲) فوائد العلامہ شیخ الاسلام برہان الدین (۱۱۳) فوائد نظام الدین، (۱۱۴) فتاوی نسفی، امام نسفی ساتویں صدی کے مشہور فقیہ ہیں (۱۱۵) فتاوی الجندی، اپنے وقت کے تمام مشائخ کے فتاویٰ کو جمع کر دیا ہے۔

(۱۱۶) نوادر ابن سماعہ (۱۱۷) الواقعات السامیہ (۱۱۸) الاسعاف برہان الدین بن ابی بکر الطرابلسی م ۸۴۳ھ نے اس میں اوقاف کے تمام مسائل اور جزئیات جمع کر دیئے ہیں (۱۱۹) فتاویٰ رشید الدین (۱۲۰) شرح ادب القاضی غالباً صدر الشہید شرح مراد ہے (۱۲۱) فتاویٰ آہو جس کا دوسرا نام فتاویٰ صیرفیہ بھی ہے (۱۲۲) المستصفی شرح النافع (۱۲۳) فتاویٰ ابی الفتح، غالباً مجد الدین ابوالفتح م ۶۳۲ھ کے فتاوے مراد ہیں۔

ماخذ کی فہرست سرسری مطالعہ سے تیار کی گئی ہے، مزید تلاش و تفحص سے ممکن ہے کچھ اور نام بھی نکل آئیں تاہم اس سے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا ہو گا کہ فتاویٰ کی تالیف میں کس قدر اہتمام تلاش و جستجو اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے،

اس کی تالیف کے بعد فقہ حنفی پر جو کام بھی ہوا ہے، شاید ہی کوئی متداول اور قابل ذکر ایسی کتاب ہو جس میں فتاویٰ عالم گیری سے فائدہ نہ اٹھایا گیا ہو۔

فتاویٰ عالم گیری کا سنہ تصنیف

فتاویٰ عالم گیری کا سنہ تصنیف کا یقینی تعین کرنا تو بہت مشکل ہے لیکن ذیل کے بیانوں سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ عالم گیر نامہ کا مصنف عالم گیر کی حکومت کے گیارہویں سال کے واقعات میں لکھتا ہے۔

چوں ہمگی ہمت والا شریف برائے آں خدیو دین پرور حق پژدہ مصروف است باآنکہ کافہ مسلمین دراحکام دین متین بمسائلے کہ اکابر علماء وائمہ مذہب شریف حنفی بداں فتویٰ دادہ معمول بہا معمول علیہا دانستہ عمل نماید۔۔۔ معہذا مجموع آں را ایک کتاب حاوی نیست ۔۔۔ لاجرم بہ ضمیر مہرانوار در امور دین و دولت بفتوی الہام کارگزاشت پرتواین عزیمت تافت کہ جمعے از علمائے سریر اعلیٰ کتب معتبرہ نسخ بسوطہ آں فن راکہ در کتاب خاصہ[1] شریفہ بروزگاراں از اطراف

بادشاہ سلامت چونکہ دین کی حفاظت میں جان و دل سے لگے ہوئے ہیں تاکہ دین متین کے مطابق کفار اور مسلمان تمام مسائل میں مفتیٰ بہ اور راجح مسائل میں حنفی فقہ کے مطابق عمل کریں مگر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کوئی ایسا مجموعہ نہیں جو تمام مسائل پر حاوی ہو۔ چنانچہ بادشاہ سلامت کے دل میں آیا کہ شاہی کتب خانہ میں جو کتابیں موجود ہیں ان سے علماء کی ایک جماعت نے اس کا ایک مجموعہ تیار کر دیا۔ تاکہ جو مسائل پیش آئیں سہولت سے اس

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم گیر کا ذاتی کتب خانہ تھا، جو بڑی کوشش سے جمع کیا گیا تھا جس میں فقہ کی تمام متداول کتابیں موجود تھیں۔

واکناف عالم فراہم آمدہ جلوہ گار انظار تتبع ساختہ از روی تحقیق وتدقیق وخوض وغور انیق بجمع تالیف آں مسائل پردازند واز مجموع آں نسخہ جامعہ مرتب سازند تاہم گناں را اسکشاف مسئلہ مفتی بہا در ہر باب بمراجعت آں کتاب بہ سہولت وآسانی دست دہد... چوں آں کتاب مستطاب اتمام گیرد و پیرایہ اختتام پذیرد جہانیاں را از سائر کتب فقہی مستغنی خواہد بود۔[1]

کی طرف رجوع کیا جاسکے اور جب یہ کتاب پوری ہو جائے گی تو دوسری کتابوں سے مستغنی ہو گی۔

دس لاکھ روپے اور ایک لاکھ مسائل

مرآۃ العالم میں ہے کہ اس کی تصنیف پر دہ لاکھ روپے صرف ہوئے اس کی عبارت ملاحظہ ہو۔

چنانچہ قریب دہ لکھ روپیہ صرف لوازم این کتاب مستطاب کہ زیادہ از یک لکھ بیت باشد شدہ، انشاء اللہ ہر گاہ آرائش تمام وپیرایہ اختتام باید جہانیاں را از سائر کتب فقہی مستغنی خواہد بود[2]

اس پر تقریباً دس لاکھ روپے صرف ہوئے جسمیں ایک لاکھ سے زیادہ سطریں ہیں جب یہ کتاب مکمل ہو جائے گی تو فقہ کی دوسری کتابوں سے مستغنی کر دے گی۔

ان بیانات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۷۸ھ میں جو عالم گیر کی حکومت کا گیارہواں سال ہے، یا اس سے کچھ پہلے فتاویٰ کا کام شروع ہو چکا تھا، مگر

---

[1] عالم گیر نامہ ص ۱۰۸۷ [2] قلمی نسخہ دار المصنفین، یہ کتاب بھی عالم گیر کی حکومت کے ابتدائی دس گیارہ سال کے واقعات پر مشتمل ہے۔

چوں آں کتاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پذیرد۔ | جب یہ کتاب مکمل ہو جائے گی تو دوسری کتابوں سے مستغنی کردے گی۔

سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ اگر ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۷۸ھ کو اس کی تالیف کا زمانہ قرار دے کر اسی کے ساتھ اس مشہور روایت[1] کو بھی ملا دیا جائے، کہ اس کی تالیف میں آٹھ برس کی مدت صرف ہوئی تو اس کی تکمیل کا زمانہ ۱۰۸۵ھ یا ۱۰۸۶ھ قرار پائے گا۔

فتاویٰ عالم گیری کا فارسی ترجمہ

کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس لئے عام لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، ان کی آسانی کے لئے اورنگ زیب نے چلپی عبداللہ اور ان کے شاگردوں کو اس کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور کیا، مرآۃ العالم میں ہے۔

برائے سہولت ہم گناں بہ چلپی عبداللہ ... باچند تلامذہ بترجم نوشتن بفارسی مامور۔ (ص ۵۰۲، قلمی نسخہ) | عام لوگوں کی سہولت کیلئے چلپی عبداللہ اپنے چند تلامذہ کے ساتھ اسکے فارسی ترجمہ پر مقرر ہوئے۔

تبصرۃ الناظرین میں ہے۔

چلپی عبداللہ بترجمۂ آں (عالم گیری) مامور بود۔ (ص ۰، قلمی نسخہ) | چلپی عبداللہ اس کے ترجمہ کے لئے مقرر ہوئے

فتاویٰ عالم گیری کا مترجم کون تھا؟

اوپر مرآۃ العالم اور تبصرۃ الناظرین کے بیانات نقل کئے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کے مترجم چلپی عبداللہ تھے، مگر

---

[1] معارف نمبر ۵ جلد نمبر ۳۹ مضمون "عالم گیر کا علمی ذوق" سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب مرحوم

مرأۃ العالم کے مصنف بختاور خاں نے چلپی عبداللہ کے نام کے ساتھ اتنا اور اضافہ کردیا ہے کہ۔

چلپی عبداللہ خلف ارشد قدوۂ فضلائے نامدار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی باچند تلامذہ بمترجم نوشتن ایں کتاب بفارسی مامور ہست۔ (ص ۲۷۵)

چلپی عبداللہ کو جو مشہور عالم مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے تھے ان کو چند تلامذہ کے ساتھ فتاویٰ عالم گیری کے ترجمہ پر مقرر کیا۔

آگے اس کی پوری تفصیل آئے گی کہ اس کے مترجم عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحب زادے نہیں بلکہ وہ چلپی عبداللہ ہیں جو ترکی النسل تھے۔ خود مرأۃ العالم کے دوسرے بیان سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ ترجمہ پورا بھی ہوا کہ نہیں اور نہ اس کے وجود کا کوئی سراغ لگ سکا۔

فتاویٰ کی تالیف کا طریقہ

فتاویٰ عالم گیری کے جمع و ترتیب کا طریقہ یہ تھا کہ فقہی ابواب کے لحاظ سے اس کو کئی حصوں میں تقسیم کردیا گیا تھا، اور ہر حصہ کے لئے ایک الگ صدر اور صدر کے لئے چند معاونین کی ایک جماعت مقرر تھی۔ ہر صدر اپنے اپنے حصہ کا ذمہ دار تھا، اخذ و استنباط میں اگر کوئی غلطی ہوجاتی تھی تو ملا نظام جو اس مجلس کے صدر اعلیٰ تھے۔ اس شعبہ کے صدر سے باز پرس کرتے تھے اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ذیل میں ان لوگوں کے نام درج کئے جاتے ہیں جن پر ان کے کسی حصہ کی تکمیل کی ذمہ داری تھی۔

۱ ـــــ حصہ اول کے جمع و ترتیب کا کام شیخ جلال الدین محمد جونپوری کے سپرد تھا۔ مشاہیر جونپور میں ہے:

از تصنیفات و تالیفاتش فتاویٰ عالمگیر حصہ اول است کہ حسب الامر سلطانی جمع نمودہ۔ ص ۱۲۲	فتاویٰ عالم گیری کے حصہ اول کی ترتیب ان کے ذمہ تھی۔

یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ کتنے علمار معاون کی حیثیت سے ان کے شریک کار تھے۔

۲ــــــ ایک حصہ کی تکمیل شیخ وجیہ الدین گوپاموی کے سپرد تھی اور ان کی امداد و اعانت کے لئے دس عالم اور مقرر تھے، لیکن ان کے ناموں کی تصریح نہیں مل سکی، مرأۃ العالم میں صرف اتنا ہے کہ:

(شیخ وجیہ الدین) در ترتیب و تالیف ربعے فتاویٰ عالم گیری شاہی مامور شدہ دہ کس دیگر از فضلار بمدد و اعانت او مامور شدند۔[1]	شیخ وجیہ الدین اس کے چوتھائی حصہ کی ترتیب کے ذمہ دار تھے اور انکے تحت دس علمار اعانت کے لئے تھے۔

اگر اسی پر دوسرے حصوں کو بھی قیاس کیا جائے تو مؤلفین فتاویٰ کی تعداد چالیس پچاس تک پہنچ جائے گی۔

۳ــــــ ایک حصہ کی تالیف شیخ محمد حسین جونپوری کے زیر اہتمام تھی۔ مرأۃ العالم میں ہے۔

و ربعے از فتاویٰ عالم گیری شاہی باہتمام او (محمد حسین) زینت تمام یافت (ص۳)	ایک چوتھائی حصہ کی ترتیب شیخ محمد حسین جونپوری کے ذمہ تھی۔

ان کے معاونین کی تعداد اور ان کے ناموں کا علم نہیں ہوسکا۔

---

[1] قلمی نسخہ، دار المصنفین۔

انفاس العارفین[1] کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کسی حصہ کی تکمیل ملا حامد جونپوری کے زیر صدارت بھی ہوئی تھی، آگے ذکر آرہا ہے کہ ایک خاص وجہ سے ملا نظام الدین ان سے ناخوش ہو گئے تھے۔

ملا نظام الدین ملا حامد سے اس وجہ سے ناراض ہو گئے تھے کہ انکی وجہ سے باشاہ کے سامنے انھیں خفت اٹھانی پڑی۔

(ملا نظام) ملا حامد را عتاب کرد کہ این جلد باعتماد شما گذاشتہ بودم و تو پیش بادشاہ مرا خفیف کردید۔ ص۲۴

شاہ عبدالرحیم صاحب آپ کے معاونین میں تھے، اور شرکار کی تعداد اور نام کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

تلاش وتفحص سے انہی چار آدمیوں کے متعلق یہ تصریح مل سکی ہے کہ کسی نہ کسی حصہ کے جمع وترتیب کی ذمہ داری ان کے سپرد تھی، لیکن یقینی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کام چار ہی حصوں میں منقسم تھا، اور یہی چار اس کے ذمہ دار تھے یا اس سے زیادہ۔ راقم کے مضمون کو پڑھ کر اکتوبر ۱۹۴۷ء کے معارف میں برادر مکرم مولانا ابوظفر ندوی مرحوم نے تاریخ برہان پور (بحوالہ مرأۃ العالم) سے جن ناموں کی فہرست دی ہے، ان میں سے دو ناموں علی اکبر سعد اللہ خانی اور محمد اکرم لاہوری کے متعلق مرأۃ العالم یا کسی دوسری کتاب میں کوئی تصریح نہیں مل سکی کہ وہ کس حصہ کے صدر بنائے گئے تھے، بلکہ محمد اکرم لاہوری تو جامعین فتاویٰ میں بھی نہیں ہیں۔ محمد اکرم نام کے ایک دوسرے عالم جوبہار کے رہنے والے تھے، البتہ اس میں شریک تھے، لیکن انھیں بھی کوئی ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہ تھی۔

---

[1] شاہ ولی اللہ نے اپنے والد کے حالات میں یہ کتاب لکھی ہے۔

فتاویٰ کی تدوین میں عالم گیرؒ کی شرکت

عالم گیر نے فتاویٰ کی تدوین کے لئے خزانہ شاہی سے ایک کثیر رقم کی منظوری اور علمار کی ایک جماعت کی تقرری ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ذاتی طور سے بھی وہ اس سے کافی دلچسپی لیتے تھے۔ اور روزانہ اس کے دو چار صفحے خود علمی وتنقیدی نگاہ دیکھتے تھے اور اس کی فرو گزاشتوں اور خامیوں پر ملا نظام الدین کو متوجہ کرتے رہتے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب جو جامعین فتاویٰ میں تھے ان کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے، شاہ صاحب کہتے ہیں کہ :

"والد صاحب نے ایک روز فرمایا کہ میں فتاویٰ عالم گیری پر نظر ثانی کر رہا تھا کہ ایک جگہ عبارت پیچیدہ تھی، سمجھ میں نہیں آئی، میں نے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا، تو معلوم ہوا کہ اس باب کے جامع نے دو عبارتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، جس کی وجہ سے مسئلہ پیچیدہ ہو گیا ہے، میں نے (غصہ میں) اس کے حاشیہ پر لکھدیا کہ :

من لم یتفقہ فی الدین قد حنف فیہ ہذا غلط وصوابہ ہکذا

جس نے دین میں تفقہ حاصل نہیں کیا اس نے دین میں کجروی کی، یہ غلط ہے اور صحیح یوں ہے۔

خود ملا نظام دو چار صفحات روزانہ بادشاہ کو لے جا کر سناتے تھے ایک دن جب حسب معمول انھوں نے ان صفحات کو عالم گیرؒ کے سامنے پڑھا، تو جلدی میں اس حاشیہ کی عبارت کو متن سے ملا

دیا، جس سے مطلب خبط ہوگیا، بادشاہ نے ٹوکا اور پوچھا کہ یہ عبارت کیسی ہے، ملا نظام اس وقت کوئی جواب نہ دے سکے، اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں نے اس عبارت کا مطالعہ نہیں کیا تھا، جواب کل دوں گا"۔

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ پر عالم گیر کی گہری نظر تھی، اور ذاتی طور پر فتاویٰ کی تدوین و تصحیح میں وہ علمی حیثیت سے بھی شریک تھے۔

فتاویٰ عالم گیری کا مترجم

گزشتہ سطور میں فتاویٰ کے مترجم کے متعلق مرآۃ العالم کے ایک بیان کی کہ اس کے مترجم ملا عبداللہ ابن عبدالحکیم سیالکوٹی ہیں، تردید کی گئی تھی، اور قیاس و قرائن کے علاوہ تبصرۃ الناظرین کے بیان کی روشنی میں یہ لکھا گیا تھا کہ اس کے مترجم ملا عبداللہ سیالکوٹی نہیں بلکہ عبداللہ چلپی ترکی ہیں۔ اب خود مرآۃ العالم ہی میں دوسری جگہ ایک عبارت مل گئی ہے جس سے ہمارے اس قیاس اور تبصرۃ الناظرین کے بیان کی تائید اور اس کے اپنے بیان کی تردید ہوتی ہے عبارت یہ ہے:

چلپی عبداللہ رومی... در زمان فردوس اشیانی از روم بہ ہندوستان آمد در زمرۂ فقرا... و دریں عصر (عالم گیری) بہ روزیانہ سرفرازی یافتہ از تکالیف نوکری معاف و نوشتن ترجمہ فتاویٰ عالم گیری شاہی مامور است۔	چلپی عبداللہ رومی شاہجہاں کے وقت میں ہندوستان آئے اور عہد عالم گیری میں ملازمت سے ان کو آزاد رکھ کر ان کا روزینہ مقرر ہوگیا اور اس وقت فتاویٰ عالمگیری کے فارسی ترجمہ پر مقرر ہوئے۔

(صفحہ ۳۰ قلمی نسخہ)

جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے بظاہر نام کے اشتراک کے علاوہ اس غلطی کی

دوسری کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

فتاویٰ کا دوسرا فارسی ترجمہ

فتاویٰ عالم گیری کے پہلے فارسی ترجمہ کے وجود کا جو عالم گیر کے زمانہ میں کیا گیا تھا ہمیں تو کوئی علم نہیں ہے۔ البتہ اس کے ایک حصہ کتاب الجنایات کا ایک دوسرا فارسی ترجمہ مع مختصر شرح موجود ہے، جسے مولانا نجم الدین ثاقب قاضی القضاۃ (متوفی ۱۲۲۹ھ) نے لارڈ سر جان شور (سنہ ۱۷۹۳ تا سنہ ۱۷۹۸ء) کے مشورہ سے کیا تھا۔ یہ ترجمہ کلکتہ اور لکھنؤ کے مطبعوں میں کئی بار چھپ چکا ہے لیکن اس کا مطبوعہ نسخہ نظر سے نہیں گزرا۔ اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ میں "ترجمہ فتاویٰ عالم گیری" اور خدا بخش لائبریری پٹنہ میں "کتاب الحدود والسرقۃ" کے نام سے موجود ہیں۔ پٹنہ میں جو نسخہ ہے اس کے متعلق مرتب نے لکھا ہے کہ اس پر کتاب اور مصنف کا نام درج نہیں ہے، البتہ اس کی پشت پر کسی نے کتاب الحدود لکھ دیا ہے لیکن مقابلہ سے یہ ترجمہ مولانا نجم الدین کے ترجمہ سے حرف بحرف مل جاتا ہے۔ اس لئے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ وہی ترجمہ ہے۔

کتاب الحدود حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۔ باب اول، دربیان تفسیر حد موافق شرع وبیان رکن حد وبیان شرط حد وبیان حکم حد۔

۲۔ باب دوم، دربیان زنا فصل دربیان چگونگی حدہا واقامت حدہا۔

۳۔ دربیان وطی کہ موجب حد است۔

۴۔ باب چہارم، درشہادت بزنا ورجوع ازاں شہادت

۵۔ باب پنجم، درحد شراب۔

۶۔ باب ششم، دربیان قذف ۔فصل دربیان تعزیر۔

کتاب السرقہ کے ابواب کی یہ تفصیل ہے۔

۱۔ باب اول، دربیان سرقہ۔

۲۔ باب دوم، دربیان آں دزدے کہ دست بریدہ می شود، ودر بیان آں دزدے کہ دست بریدنمی شود، درآں فصل دربیان حرز فصل دربیان چگونگی دست بریدن وثابت گردانیدن آں۔

۳۔ باب سوم، دربیان چیزے کہ پیدا کند دزد آں چیز را در مال دزدی۔

۴۔ باب چہارم، دربیان قطاع طریق۔

فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین کے حالات

فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں ہندوستان کے تقریباً تمام ممتاز علماء وفقہا شریک تھے اور خود عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ اس سے ذاتی دلچسپی لیتے رہے اور خزانۂ شاہی سے اس کے اخراجات پورے کئے جاتے رہے، لیکن اس عظیم کارنامہ میں کتنے حضرات شریک تھے افسوس ہے کہ اس کی پوری تفصیل نہ تو معاصر فارسی وقایع نگاروں نے یکجا دی ہے اور نہ بعد کے تذکرہ نویسوں نے، سب سے پہلے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا خیال آیا اور انہوں نے تاریخ اور تذکرہ کی بعض کتابوں کے حاشیہ پر دو چار جگہ مؤلفین فتاویٰ عالم گیری کی نشاندہی کی تھی، راقم الحروف نے حضرت سید صاحبؒ کے انہی اشارات کی روشنی میں فارسی تاریخوں اور تذکروں کی ورق گردانی شروع کردی اور تلاش و جستجو کے بعد یہ ۲۲، ۲۳ حضرات کے نام اس فہرست میں آسکے، مضمون کی اشاعت کے بعد برادرم مولانا ابوظفر صاحب ندوی اور مولانا محمد عون صاحب

قادری پھلواری شریف (پٹنہ) نے دو ایک ناموں کا اضافہ کیا جن کے حالات ناظرین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں، اس میں سب سے پہلا نام اس کام کے سب سے بڑے ذمہ دار یعنی صدر الصدور شیخ نظام کا آتا ہے اور انہی سے یہ فہرست شروع کی جا رہی ہے۔

۱۔ شیخ نظام بُرہان پوریؒ

نظام نام، برہان پور (گجرات) وطن تھا، ابتدائی حالات اور خاندان کے متعلق تذکروں میں کوئی تصریح نہیں ہے۔

قاضی نصیر الدین برہان پور کے متبحر اور متبع سنت عالم تھے، زیادہ تر انہی کی خدمت میں شیخ کی تعلیم و تربیت ہوئی اور استاذ کی توجہ اور نسبت سے خود بھی بڑے وسیع العلم متبحر عالم ہوئے [1]

عالم گیر کو شہزادگی کے زمانہ میں جب دکن کا انتظام سپرد ہوا تو وہیں شیخ نظام سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے دامن دولت سے وابستہ کر لیا، اور پھر آخر وقت تک جدا نہیں کیا شیخ نے اپنی استعداد و قابلیت سے حکومت کے بڑے سے بڑے عہدے اور مرتبے حاصل کئے۔

عالم گیر کی کوئی علمی و سیاسی مجلس مشکل سے شیخ نظام کی شرکت سے خالی ہوتی تھی، صاحب مآثر عالم گیری نے متعدد جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے [2] عالم گیر ان کا اتنا احترام کرتا تھا کہ آداب و تسلیم کی پابندی سے وہ مستثنیٰ تھے۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند [2] مآثر عالم گیری ص ۸۰-۸۳-۲۰۹

محبوب الاجاب میں ہے۔

ازکورنش وتسلیم ودیگر تکالیف نوکری معاف بود (ص ۵۱۲)

دربار کے آداب اور تسلیم اور ملازمت کی بندش سے آزاد تھے۔

جب فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب وتالیف کے لئے علمار کی ایک جماعت منتخب ہوئی تو اس کی صدارت شیخ نظام کو تفویض ہوئی۔ عالم گیرنامہ کا مصنف "فتاویٰ عالم گیری" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

وسرکردگی واہتمام این مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل معقول ومنقول است تفویض یافت۔ (ص ۱۰۸۷)

یہ کام فضیلت مآب شیخ نظام کی سرکردگی میں شروع ہوا۔

مرآۃ العالم اور مآثر عالم گیری میں ہے:

وسرکردگی این مہم اہم بقدوۃ انام شیخ نظام تفویض یافت (ص ۲۴۲)

یہ اہم کام قدوۃ انام شیخ نظام کی نگرانی میں شروع ہوا۔

تذکرہ علمائے ہند میں ہے:

درفتاویٰ عالم گیری سعی فراواں نمود

فتاویٰ عالم گیری کی تکمیل میں پوری محنت صرف کی۔

شیخ عبدالرحمٰن بحراوی جن کی تصحیح کے بعد تیسری بار فتاویٰ عالم گیری ۱۳۱۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے، اپنے مختصر مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

وجعل رئیسھم فی ذالک المولیٰ الھمام الشیخ النظام۔

اور شیخ نظام اس کے صدر مقرر ہوئے۔

زمانۂ وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسّی برس سے زیادہ کی عمر پائی، محبوب الاجاب میں ہے۔

ہنگام تحریر کتاب مرآۃ العالم عمر شریف شیخ مذکور از ثمانین متجاوز بودہ۔ (ص۵۱۶)	مرآۃ العالم کی ترتیب کے وقت شیخ نظام کی عمر اسی برس سے متجاوز تھی۔

محمد ساقی مستعد خان نے ان کے پسماندگان میں چار لڑکوں ملک منور، شیخ لاڈ، شیخ عبد اللہ اور شیخ ابو الخیر کا ذکر کیا ہے ان میں تین ملک منور، شیخ لاڈ اور شیخ عبد اللہ شاہی خطابات کے علاوہ منصب چار ہزاری سے بھی سرفراز تھے[۱] اور شیخ ابو الخیر داروغہ جائے نماز تھے[۲]

۲۔ میر سیّد قنوّجی

محمد نام اور میر خطاب تھا، قنوج کے باشندے، عہد عالم گیری کے مشہور اور وسیع العلم علماء میں تھے۔ ریاضی و ادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے۔ شاہ جہان نے بڑی تعظیم و اکرام کے ساتھ انہیں دربار میں بلایا، اور اپنے مقربین میں شامل کیا[۳] شاہ جہاں کے بعد جب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ تخت نشین ہوئے تو انہوں نے بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ قائم رکھا، اور جب اکبر آباد سے دلی آگئے تو انہیں بھی اپنے پاس بلا لیا۔

عالم گیرؒ کو امام غزالی کی تصنیفات خصوصاً احیاء العلوم سے بڑا شغف تھا انھوں نے امام غزالی کی اکثر کتابیں سید محمد قنوجی کی زیر نگرانی اور ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں۔ تذکرہ علمائے ہند میں ہے:

مصنفات حجۃ الاسلام غزالی خصوص	حجۃ الاسلام امام غزالی کی تصانیف

---

[۱] مآثر ص ۳۰۹ [۲] ایضاً ص ۱۹۷ [۳] و [۴] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۵۔

احیاء العلوم پیش دے (سید محمد) دیدہ (ص ۲۱۶)	خاص طور پر احیاء العلوم ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں۔

ان کو دربار میں کافی درخور حاصل تھا، عالم گیر کی ہر مجلس میں شریک ہوتے تھے، شاہزادہ اعظم کا نکاح ان ہی کی وکالت میں ہوا تھا[1] ۱۰۹۱ھ میں عالم گیر اودے پور اور اجمیر کی مہم پر گئے اور وہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے کئی مہینہ رک جانا پڑا، اس لئے سید محمد قنوجی نے اجمیر جا کر ان سے ملاقات کی۔ انھوں نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا، اور ایک ہزار نقد اور میوں کے دو خوان تحفہ میں پیش کئے[2]

جب فتاویٰ عالم گیری کی تالیف کے لئے علماء کا انتخاب ہوا تو قرعۂ انتخاب ان کے نام بھی پڑا۔ چنانچہ اس کی تکمیل میں ان کا بھی کافی حصہ تھا۔ تذکرہ علمائے ہند میں ہے۔

در تالیف فتاویٰ عالم گیری مساعی جمیل بکار بردہ (ص ۲۱۶)	فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں پوری کوشش کی۔

وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی۔ صاحب مآثر عالم گیری ۱۰۹۷ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے:

"سید شریف پسر قدوۃ المشائخ میر سید محمد قنوجی استاذ اعلیٰحضرت فردوس آشیانی (شاہ جہاں) جو فضل و کمال عقل و شعور میں مشہور و معروف تھے کرورہ گنج کی خدمت میں مامور ہوئے۔"[3]

اس بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۹۷ھ سے پہلے وفات پا چکے

---

[1] اردو ترجمہ مآثر عالم گیری ص ۵۲ [2] مآثر ص ۴۵ [3] مآثر ص ۲۰۶

تھے۔ مآثرِ عالم گیری نے ضمناً ان کے دو لڑکوں سید شریف و سید احمد کا ذکر کیا ہے۔ سید شریف کرورہ گنج کی خدمت پر مامور تھے[۱] اور سید احمد قاضی محمد حسین کے انتقال کے بعد عہدۂ احتساب سے سرفراز ہوئے۔

تلامذہ میں مولوی اصغر علی قنوجی بڑے صاحبِ علم اور صاحبِ تصنیف گزرے ہیں[۲]

۳۔ ملّا محمد جمیل جونپوری

جونپور کے ایک علمی خانوادے میں ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئے ان کے دادا ملا شمس نور اور والد ملا عبد الجلیل اور دو چچا ملا صادق اور ملا خلیل اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں تھے۔ اسی ماحول میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی اور اسی علم پرور فضا میں پروان چڑھے۔

ابتدائی عربی و فارسی تعلیم کے بعد علامہ دیوان عبد الرشید سے مختصر المعانی اور شرح وقایہ پڑھیں۔ پھر مولانا نور الدین کے درس میں شریک ہوئے۔ ان سے درسی کتابوں کے علاوہ انوار علوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی ابھی کتاب ختم نہیں ہوئی تھی کہ استاذ نے دلی کا قصد کیا۔ شاگرد نے کتاب ختم نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ استاذ نے فرمایا کہ اب تمھیں درس کی ضرورت نہیں

---

[۱] مآثر ص ۲۰۶ [۲] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۱۔ ان کی چند تصانیف یہ ہیں: تصوف میں اللطائف العلمیہ، تبصرۃ المدارج، تفسیر میں ثواقب التنزیل اور اس کے علاوہ فصوص الحکم کی شرح اور کئی عربی قصیدے ان کی یادگار ہیں۔

ہے، مطالعہ کافی ہے۔

ملا جمیل طالب علمی کے زمانہ ہی سے ذہانت وطباعی میں ضرب المثل تھے، نہایت اخاذ طبیعت پائی تھی۔ ایک مرتبہ مطول کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کر کے اپنے استاذ مولانا نورالدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا۔ استاذ نے فرمایا کہ اس عبارت کا مطلب آج میں نے تمھاری تشریح سے سمجھا ہے[1]

ملا جمیل کی فطانت اور ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو ملا جلال اور میر شریف کہا کرتے تھے۔ جس وقت وہ دہلی گئے تو سارے علماء پر ان کی ہیبت طاری ہوگئی۔ مشاہیر جون پور میں ہے۔

آنچناں جودت ذہن بود کہ اگر یک بار متن کسے کتاب بیند حاجت حاشیہ نہ افتد، ہر مطالب دقیق کہ پیش آید فوراً بہ قوت ذہن حل گردد بارہا استادش فرمودی کہ ملا جمیل را مماثل علامہ شریف وملا جلال گفتن بیجانیست، وقتے کہ ملا جمیل وارد دہلی شد شہرہ فضیلتش چناں شائع گردید وہیبتش تاری (طاری) شد کہ بر درس کہ رسیدے درس موقوف گشتے۔ روزے در مدرسہ لطف اللہ دہلوی

ایسے ذہین تھے کہ ایک بار جس کتاب کو دیکھ لیتے تو پھر حاشیہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، دقیق سے دقیق عبارت فوراً حل کر لیا کرتے تھے، بارہا ان کے استاذ ان کو علامہ شریف جرجانی، اور ملا جلال کہا کرتے تھے ایک بار دہلی آئے تو وہاں کے سارے علماء پر ایک ہیبت طاری ہوگئی جس عالم کے درس میں جاتے ہیبت کی وجہ سے وہ درس کو موقوف کر دیتے تھے ایک بار لطف اللہ دہلوی کے مدرسہ

---

[1] مشاہیر جونپور ص ۸۸

رفت دریک سطرِ ہفت یا ہشت شبہات پیش بنمود، ملا لطف اللہ از جوابش عاجز آمدند۔[1]

میں گئے، وہ جو کتاب پڑھا رہے تھے اس کی ایک سطر میں متعدد شبہات پیدا کئے ملا لطف اللہ ان کا جواب نہ دے سکے۔

ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، چنانچہ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مسند درس پر بٹھا دیئے گئے اور تشنگان علم ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگے۔ مشاہیر جونپور میں ہے۔

عالم جملہ علوم گردید و درس گفتن آغاز کرد و چناں شد کہ بہ زمرۂ علمائے مشاہیر بشہرت و علم یکتائی برافراشت بسیارے طلبہ از وشان فراغ خواندند۔ (ص۸۰)

تمام علوم میں دستگاہ حاصل کر کے درس و تدریس کا آغاز کر دیا اور جلد ہی ان کا شمار ممتاز علماء میں ہونے لگا اور بہت سے طلبہ ان سے مستفیض ہوئے۔

جون پور کے محلہ مفتی میں ایک بہت وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا، اور خود اس میں درس دیتے اور اصلاح باطن کرتے تھے۔ سید نورالدین اس معہد علمی اور روحانی کی بربادی پر بڑی حسرت سے لکھتے ہیں۔

چوں زمانہ دگرگوں شد اکنوں آثارے ہم باقی نہ ماند جز اینکہ برایں سرزمین کہ پیش دروازہ شاہ طفیل است کشت کاری می شود و چشم بصیرت مشاہدہ ہنجار دنیا می کند۔ (ص۸۶)

زمانہ کی تبدیلی سے اس کے آثار اب باقی نہیں رہے البتہ دروازہ شاہ طفیل دنیا کی بے ثباتی کو بتلا رہا ہے۔

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے لیکن ان میں مولوی نظام الدین اورنگ

---

[1] مشاہیر جونپور ص ۸۰

آبادی، مولوی نورالہدیٰ امیٹھوی اور ملا نورالدین جعفر غازی پوری زیادہ مشہور ہیں۔

اصلاحِ باطن

مشاہیر جونپور میں ہے:

علاوہ فضائل صوری صاحب کمالات باطنی ہم بود و بیعت و ارادت از دیوان عبدالرشید آورد۔ (ص۸۸)

علمی کمالات کے ساتھ ساتھ وہ باطنی کمالات سے بھی آراستہ تھے، بیعت کا تعلق حضرت دیوان عبدالرشید سے تھا۔

اٹھہتر برس کی عمر پاکر ۲۰ رجب ۱۱۲۳ھ میں وفات پائی اور اپنے والد ملا عبدالجلیل کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ذیل کی رباعی سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

مرد ملا جمیل علمش مرد   خانہ باقی نہ صاحب خانہ

بر تاریخ فاضل نامی   از فضیلت ربود افسانہ

پس ماندگان میں تین صاحبزادوں کا ذکر صاحب مشاہیر جونپور نے کیا ہے۔ مولوی غلام معین الدین عرف شاہ ایسد علی، شاہ طفیل حسین و شاہ یتیم الحسن۔

ان کی اصل علمی یادگار تو تلامذہ کی وہ کثیر تعداد ہے، جن کے ذریعہ ہزارہا تشنگان علم سیراب ہوئے۔ ان کے علاوہ کچھ قلمی یادگاریں بھی ہیں جن سے اہل علم آج بھی مستفیض ہو سکتے ہیں۔

آپ نے مطول، شرح جامی کے ایک باب عطف اور بہت سی دوسری کتابوں پر حاشیے لکھے۔ اس کے علاوہ دو رسالے ایک فقہ اور ایک تصوف میں تنبیہات جمیلی تحریر کئے۔ سب سے بڑا زندہ جاوید کارنامہ فتاویٰ عالم گیری

کی تصنیف میں شرکت ہے۔ مشاہیر جونپور میں ہے

وقتے کہ عالم گیر بادشاہ دہلی جہت نمود فتاوی امنسوب باہم خود فضلائے ناموران دیار ہند طلبید از جونپور ملا جمیل رابرچیدہ وایشاں رابخود خاستہ شریک مجمع اجتماع نمود۔ (ص ۷۸)

جب شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر دہلی آئے تو فتاویٰ کی ترتیب کے لئے جن لوگوں کو بلایا ان میں خاص طور پر ملا جمیل کو بھی شامل کیا۔

۴ قاضی محمد حسین جونپوری

جون پور کے باشندے اور اپنے وقت کے ممتاز علماء میں تھے۔ فرحۃ الناظرین میں ہے۔

ازعلم وفضل بہرہ وافر داشت (ص ۸۲)

علم وفضل میں ممتاز تھے۔

شاہ جہاں کے عہد میں جونپور کے قاضی تھے، عالم گیر کے عہد میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے۔ جلوس عالم گیری کے ساتویں سال دربار شاہی میں حاضر ہوئے۔ عالم گیر نے انعام واکرام کے علاوہ فوج کا عہدہ احتساب بھی ان کے سپرد کر دیا۔ اور اس کے بعد سے برابر وہ اسی خدمت کو انجام دیتے رہے۔ محبوب الاجاب میں ہے۔

خدمت احتساب عسکر خلعت امتیاز پوشیدہ در دفع مناہی وترویج احکام رسالت پناہی وقمع آلات ملاہی کوشش وارادہ بکار برد۔ (ص ۵۱۶)

احتساب کی خدمت ان کے سپرد ہوئی انھوں نے احکام اسلامی کی ترویج اور لہو ولعب کے ذرائع کو دور کرنے کی پوری کوشش کی۔

بختاور خاں جو عالم گیر کا بہت مقرب امیر تھا، قاضی صاحب اور ان کے علم و تقویٰ کا اس پر بڑا اثر تھا، چنانچہ عالم گیر سے بھی ان کے علم و فضل، دیانت و تقویٰ کی تعریف کرتا تھا۔ ۱۰۹۰ھ میں عالم گیر نے عہدۂ احتساب کے علاوہ اور بھی مناصب و مراتب عطا کئے۔ مآثر عالم گیری میں ہے۔

"بادشاہ ہنر پرور نے ان کو ایک صدی منصب دار مقرر فرمایا رفتہ رفتہ قاضی محمد حسین اعانت و امداد اور اپنی سلیقہ شعاری سے مرتبہ امارت خانی پر سرفراز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔"

ان کے ان کمالات کی بنا پر ان کو بھی فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں شریک کیا گیا۔ اور اس کی تکمیل میں ان کا بڑا حصہ ہے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے۔

در تالیف فتاویٰ عالم گیری سعی نمودہ — فتاویٰ عالم گیری کی تکمیل میں کافی حصہ لیا۔

مجبوب الاجاب میں ہے۔

یک ربع فتاویٰ عالم گیری تالیف نمودہ — ایک چوتھائی فتاویٰ کی ترتیب میں حصہ لیا۔

مآثر عالم گیری کے بیان سے سنہ وفات ماہ ذیقعدہ ۱۱۰۸ھ ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس سنہ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے۔

"قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سید احمد پسر سید محمد قنوجی کو خدمت احتساب عنایت ہوئی۔" (ص ۶۵)

ارباب تذکرہ نے اولاد و پس ماندگان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، اور نہ فتاویٰ عالم گیری کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے۔

۵۔ شیخ وجیہ الدین گوپامئوی

اودھ کا مشہور اور مردم خیز قصبہ گوپامئوان کا وطن تھا، نہایت ہی ذہین ذکی اور صاف باطن تھے، علم وفن کے علاوہ تقریر و تحریر میں بھی ملکہ تھا، علم معانی وبیان میں بے نظیر تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے۔

خصوصاً در علم معانی وبیان عدیم المثال بود۔ (صہ ۸۵)	خاص طور پر علم معانی وبیان میں ممتاز تھے۔

شیخ جب دلی گئے تو پہلے پہل دارا شکوہ سے ان کا علمی تعلق رہا، دارا شکوہ کی وفات کے بعد عالم گیر کی حکومت کے نویں سال ۱۰۷۶ھ میں عالم گیر کے دربار میں حاضر ہوئے، اس نے حسب مرتبہ ان کی بڑی توقیر کی اور منصب سے بھی سرفراز کیا۔

فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں عالم گیر نے ان کی خدمات بھی حاصل کیں، محمد اسلم کے بیان کے مطابق ایک چوتھائی کام ان کے سپرد تھا۔

بہ ترتیب و تالیف ربعے از فتاویٰ عالم گیری مامور شد[۱]	فتاویٰ عالم گیری کے چوتھائی حصہ کی خدمت پر مامور ہوئے۔

فتاویٰ کی تالیف میں ان کے کام کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ ذیل کی عبارت سے بھی ہوتا ہے۔

زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں کی لائبریری پٹنہ میں ۱۲۰۰ھ کا لکھا ہوا موجود ہے اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت

---

[۱] تبصرۃ الناظرین

ہے، کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

"عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدین رئیس فتاویٰ عالم گیری"[1]

اس عبارت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں ان کا کافی ہاتھ تھا، اور انھیں اس میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔

۶۔ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب

شاہ عبدالرحیم صاحب ۱۰۵۴ھ میں دلی میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ وجیہ الدین نے ان کا نام عبدالرحیم رکھا لیکن خواص میں ابوالفیض[2] کے نام سے بھی مشہور ہیں۔

شاہ صاحب دادیہال کی جانب سے فاروقی اور ناناہال کی طرف سے سید ہیں۔ جدی سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عبدالرحیم ابن الشہید وجیہ الدین ابن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی[3] بن قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدھ

---

[1] فہرست مخطوطات فقہ پٹنہ خدابخش خاں لائبریری۔

[2] بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالفیض ان کی کنیت لکھی ہے لیکن اسکی حقیقت شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے کہ میں نے اپنے بعض دوستوں سے سنا ہے کہ عالم بالا میں حضرت کا نام ابوالفیض ہے چنانچہ میں نے والد صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا تو وہ مسکرائے اور فرمایا کہ ہم چنیں است و نام تو ابوالفیاض است (انفاس العارفین ص ۳۰) ایسا ہی ہے اور میں ابوالفیض ہوں اور تم ابوالفیاض ہو۔

[3] ان بزرگوں کے نام میں قاضی اور کہیں مفتی کی نسبت ان کے علم و فضل کو ظاہر کرتی ہے۔

بن عبد الملک بن قطب الدین کمال الدین شمس الدین مفتی بن شیر ملک[۱] بن محمد عطا ملک بن ابو الفتح ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہر یار بن عثمان بن بامان بن ہمایوں[۲] بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم۔

مشہور ہے کہ نانہالی سلسلۂ نسب حضرت علی تک منتہی ہوتا ہے لیکن بہت تلاش و جستجو کے بعد بھی مکمل شجرہ نہ مل سکا، نامکمل شجرہ یہ ہے۔

والدہ شاہ عبد الرحیم صاحب بنت شیخ رفیع الدین محمد بن قطب عالم بن عبد العزیز بن طاہر[۳] (انفاس العارفین ص ۱۶۸)

شاہ صاحب کی والدہ کے سلسلۂ نسب میں عام تذکرہ نویسوں نے غالباً ذیل کی روایت کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں لکھا ہے، کہ ایک روز والد مکرم شاہ عبد الرحیم صاحب نے اپنے ایک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

بحضرت عمر شجرۂ ما می رسد و بحضرت علی از جہۃ امہات نسل وصل می شود۔(ص ۳۸)	میرا سلسلۂ نسب حضرت عمر تک پہنچتا ہے اور ماں کا حضرت علی تک۔

---

[۱] ملک کا لفظ کسی امتیازی شان کا شارح ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب خود لکھتے ہیں کہ ملک در زمان قدیم لفظ تعظیم است مثل خان در زمان ما (انفاس ص ۱۵۸) [۲] ہمایوں جرجیس وغیرہ سے عجمیت کا اظہار ہوتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی تین ہی پشت کے بعد یہ خاندان عرب سے عجم میں آ گیا تھا۔ [۳] شیخ طاہر، شیخ حسن، شیخ عبد العزیز اور شیخ قطب عالم کا تذکرہ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں بھی کیا ہے لیکن شیخ طاہر کے اوپر کے سلسلۂ نسب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۶۶ / ۳)

لیکن از جہتہ امہات[۱] کی مزید تشریح کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحب کے اجداد کی ہندوستان میں آمد اور ان کے کارنامے

شاہ صاحب کے نانہالی خانوادہ کے متعلق تو غالباً کسی نے یہ نہیں لکھا ہے وہ کب ہندوستان آیا لیکن دادیہال کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس خانوادہ کے سب سے پہلے شخص جو ہندوستان آئے، وہ شیخ شمس الدین[۲] مفتی ہیں، وہ یہاں آکر پہلے دہلی کے قریب رہتک میں مقیم ہوئے پھر وہیں متوطن ہوگئے، اس زمانہ میں حکومت کا دستور تھا، کہ شہر میں جو صاحب کمال اور ذی وجاہت آدمی ہوتا، بغیر کسی انتخاب اور تقرر کے وہاں کا عہدہ

---

۱ امہات کا لفظ جمع ہے، اور جمع ہی پر محمول کرنا چاہئے، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنی والدہ کے ساتھ اپنی دادی زوجہ شیخ معظم اور زوجہ شیخ محمود کو بھی شامل کر لیا ہے کیونکہ یہ دونوں خواتین سونی پت کے سادات گھرانے سے تھیں۔
(واللہ اعلم بالصواب)

۲ شاہ ولی اللہ صاحب ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"وایں بزرگ مردے عالم وعابد بودست واول کسے کہ از نژاد قریش دران بلدہ (رہتک) آمد و بہ سبب وے شعائر اسلام ظہور نمود وطغیان کفر منطفی شد۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہلے سے مسلمان موجود تھے لیکن ابھی تک کوئی ممتاز خاندان یہاں آباد نہیں ہوا تھا، ان کے دوسرے بھائی شیخ بہار الدین تھے جن سے مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا خاندان ہے۔

قضا و احتساب اس کے سپرد ہو جاتا تھا۔ گو وہ قاضی اور محتسب کے نام سے موسوم نہیں ہوتا تھا، شیخ شمس الدین چونکہ با وجاہت اور صاحب علم و فضل تھے، اس عام قاعدہ کے مطابق وہاں کے قاضی اور محتسب ہوئے[1]

شیخ شمس الدین کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ کمال الدین اور شیخ کمال الدین کے صاحبزادے شیخ قطب الدین اور شیخ قطب الدین کے صاحبزادے شیخ عبدالملک یکے بعد دیگرے عہدۂ قضا و احتساب سنبھالتے رہے، شیخ عبدالملک کے زمانہ میں عہدۂ قضا نے قانونی شکل اختیار کرلی، اور حکومت کی طرف سے قضاۃ کا تقرر ہونے لگا اور چونکہ یہ خاندان پہلے سے اس عہدۂ قضا پر سرفراز تھا۔ اس لئے اسی خاندان سے قاضی عبدالملک[2] کا انتخاب عمل میں آیا، اور انہوں نے اپنے اجداد کی وراثت سمجھ کر اسے قبول کر لیا۔ قاضی عبدالملک کے بعد ان کے صاحبزادے قاضی کبیر الدین عرف قاضی بدھ اور ان کے بعد قاضی قاسم اور قاضی قوام الدین عرف قاضی قادن وغیرہ

---

[1] شیخ شمس الدین کی آمد کا زمانہ سنہ کے اعتبار سے صحیح طور پر متعین نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر علمائے انساب کے قیاسی اصولوں کو مشعل راہ بنایا جائے تو کچھ تقریب پیدا کی جا سکتی ہے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے اوپر بارہویں پشت میں شیخ شمس الدین پڑتے ہیں، اہل انساب کے اس حساب کے مطابق کہ تین پشت پر ایک سو برس گزر جاتے ہیں۔ بارہ پشتوں کا زمانہ چار سو برس قرار دیا جائے گا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کی پیدائش گیارہویں صدی کے وسط میں ہوئی ہے۔ اگر انکی پیدائش کے زمانہ سے چار سو برس نکال دئے جائیں تو شیخ شمس الدین کی آمد کا زمانہ ساتویں صدی کے اوائل یا وسط کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

[2] انکے بعد سے قاضی کا لفظ انکے اہل خاندان کے نام کا جزو بن گیا۔

اس عہدہ پر مامور ہوئے۔[1]

عہدۂ قضا کے بجائے پیشہ سپہ گری

قاضی قادن کے فرزند شیخ محمود نے اپنے لئے اس عہدہ کو پسند نہیں کیا، اور اس کے بجائے حکومت کے دوسرے کاموں غالبا سپہ گری وغیرہ کو اختیار کیا، لیکن اس تبدیلی سے خاندان کی عزت ووجاہت میں کوئی فرق نہیں آنے پایا۔

شیخ محمود سے پہلے یہ خاندان علم وتصوف دونوں میں ممتاز تھا، مگر انہوں نے تصوف کے ساتھ علم کے بجائے جسمانی قوت کو اہمیت دی اور اس کے مظاہر جرأت، ہمت اور شجاعت ودلیری کا صدور ہونے لگا[2] اور یہ سلسلہ کئی پشت تک چلا۔

قاضی محمود کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ احمد[3] بھی باپ ہی کے نقش قدم پر چلے۔ ان کے بعد شیخ منصور[4] بھی شجاعت وبہادری میں ضرب المثل تھے ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ معظم یعنی شاہ عبدالرحیم صاحب کے دادا نے بھی فوجی خدمات کے سلسلہ میں بڑا نام پیدا کیا، شاہ ولی اللہ صاحبؒ انکی شجاعت

---

[1] انفاس العارفین ص ۱۵۹ [2] قاضی محمود کی شادی سونی پت کے سادات گھرانے میں ہوئی تھی، ان سیدہ کے بطن سے دو صاحبزادے احمد اور اعظم تھے [3] شیخ احمد کے دو لڑکے شیخ منصور اور شیخ حسین تھے۔ شیخ احمد کی شادی شیخ عبدالغنی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ شیخ عبدالغنی اپنے وقت کے بڑے برگزیدہ لوگوں میں تھے، اکبری دربار سے ان کا تعلق تھا لیکن جب اکبر نے کفر والحاد کا اظہار کیا، تو وہ دربار سے علیحدہ ہو گئے [4] شیخ منصور کی دو شادیاں ہوئی تھیں ایک شادی سے شیخ معظم اور شیخ اعظم تھے اور دوسری سے شیخ عبدالغفور و شیخ اسمٰعیل تھے۔

اور بہادری کے متعلق لکھتے ہیں۔

شیخ معظم[1] بدرجۂ قصوی از شجاعت وغیرہ متصف بود و وقائع عجیبہ دے دریں باب بیش از حد احصا است (انفاس ص ۱۶۱)	شیخ معظم شجاعت و بہادری میں ممتاز تھے ان کی شجاعت کے عجیب وغریب بے شمار واقعات ہیں۔

شیخ معظم کی شادی بھی سونی پت کے ایک ممتاز گھرانے میں سید نور الجنان[2] کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، اس نیک بخت خاتون کے بطن سے تین صاجزادے شیخ جمال، شیخ فیروز اور شیخ وجیہ الدین شاہ عبدالرحیم کے والد پیدا ہوئے۔

شیخ وجیہ الدین

شیخ وجیہ الدین بھی اپنی خاندانی خصوصیات کے مالک تھے، ان کی شجاعت و بہادری کے قصے بھی عام طور سے مشہور ہیں، اور زیادہ تر لوگ ان سے اسی حیثیت سے واقف ہیں۔ لیکن وہ ان خصوصیات کے ساتھ صلاح و تقویٰ میں بھی سر آمد روزگار تھے، تواضع وخاکساری جو شجاعت و بہادری کے ساتھ بہت کم جمع ہوتی ہے، وہ ان میں بدرجۂ اتم تھی۔

تلاوت قرآن

تلاوت قرآن کا خاص معمول تھا، سفر میں ہوں خواہ حضر میں روزانہ دو پارے بڑے ہی اہتمام اور سوز و گداز کیساتھ پڑھتے تھے۔ ان کی یہی قرآنی نسبت ان کی اولاد واحفاد میں منتقل ہوئی۔

ورع و تقویٰ

ورع و تقویٰ کا دامن بھی کسی حالت میں نہیں چھوٹتا۔ عام طور پر جب کسی مہم پر فوجیں جاتی ہیں تو راستہ میں ہر قسم

---

[1] انفاس العارفین میں ہیکہ موضع شکوہ پور کہ تعلقہ شیخ معظم بود (ص ۱۶۱)۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صاحب جائداد تھے۔ [2] انفاس میں ہے کہ سید نور الجنان کہ سیدے عالی نسب بود گر ایشان (آباواجداد) بحلیہ فضل وعلم متصف بودند (ص ۱۶۲) [3] انفاس ص ۱۶۲

کی بے عنوانیاں شروع کر دیتی ہیں۔ یہ بھی عالم گیر کی فوج میں ملازم تھے اور بار ہا محاذ جنگ پر بھیجے گئے، لیکن ان سے کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا حتیٰ کہ کسی کے کھیت میں گھوڑے کو منہ تک مارنے نہیں دیا۔ بعض اوقات جب کسی فوج کو کسی کا نقصان کرتے ہوئے دیکھتے، اور نہ رہا جاتا، تو فوج کی تمام شاہراہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لیتے۔

ایک مرتبہ فوج کو رسد نہیں پہنچ سکی، اس لئے عام فوجیوں نے لوٹ مار شروع کر دی شیخ وجیہ الدین پر دو تین فاقے گزر گئے، لیکن انھوں نے کسی غیر مشروع چیز کو اپنے لئے جائز نہیں رکھا۔ دو روز کے بعد اتفاق سے تھوڑے سے چنے کہیں پڑے ہوئے مل گئے۔ آپ نے ان کو بھگو کر سد رمق کا کام لیا۔

معاملات میں صفائی

لین دین اور خرید و فروخت کے علاوہ عام معاملات میں بھی شیخ وجیہ الدین بہت محتاط اور امیر و غریب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں۔

معاملہ کہ والد من علیہ الرحمہ (شیخ وجیہ الدین) با خدم و حشم و عطب فروش وغیر اں می کردند بوجہے از رفق و انصاف بود کہ از متقیان روزگار کم دیدہ می شود۔

(انفاس ۱۶۳)

والد محترم فوج سے لے کر گھاس بیچنے والے تک کے ساتھ نرمی اور انصاف کا جو معاملہ کرتے تھے وہ اس زمانہ کے متقیوں میں کم دیکھنے میں آیا۔

استغنا و قناعت

قناعت و استغنا ان کی خاص خصوصیت تھی چنانچہ شاہ شجاع کے مقابلہ کے لئے عالم گیر نے جو فوج بنگال بھیجی تھی، اس میں شاہ وجیہ الدین بھی تھے۔ انہوں نے اس

جنگ میں بڑا کارنامہ دکھایا، اور ان کی وجہ سے بڑی کامیابی ہوئی۔ عالمگیر نے اس کے صلہ میں ان کے منصب اور مرتبہ میں اضافہ کرنا چاہا، مگر آپ کی قناعت پسند طبیعت نے اسے پسند نہیں کیا[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی فوجی ملازمت صرف دنیا طلبی کے لئے نہیں تھی، بلکہ اس میں دینی خدمت اور جہاد کی روح بھی موجود تھی۔ اس جذبۂ جہاد کا پتہ آپ کے واقعۂ شہادت سے بھی ملتا ہے۔

واقعۂ شہادت

شاہ عبدالرحیم صاحب بیان کرتے ہیں کہ والد صاحب حسب معمول ایک روز تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، سجدہ میں معمول سے زیادہ دیر ہوئی، اس سے مجھے خیال ہونے لگا کہ کہیں آپ کی روح پرواز تو نہیں کر گئی، لیکن دیر کے بعد جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا، تو میں نے پوچھا کہ آج آپ نے سجدہ میں اتنی دیر کیوں کی، فرمایا آج میں اللہ تعالیٰ سے بڑی آہ وزاری کے ساتھ یہ دعا کر رہا تھا کہ مجھے شہادت نصیب فرما چنانچہ مجھ پر دعا کی مقبولیت کا انکشاف ہوگیا ہے اور یہ بھی اشارہ مل گیا ہے کہ میری جائے شہادت دکن میں ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے پہلے ہی آپ شاہی ملازمت سے دست بردار ہو چکے تھے، اور فوجی کاموں سے نفرت پیدا ہو چکی تھی، دکن جانے کے لئے سامان سفر موجود نہ تھا، مگر آپ نے فوراً تمام سامان درست کیا، سواری کے لئے ایک عمدہ گھوڑا خریدا اور اس ارادہ کے ساتھ دکن روانہ ہوئے کہ شیواجی کا قلع قمع کروں گا جو مسلمانوں کے ساتھ بڑی زیادتیاں کر رہا ہے۔ لیکن جب برہان پور (گجرات)

---

[1] انفاس ص ۱۶۵

پہنچے، تو اشارہ غیبی ہوا کہ اپنی جائے شہادت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اس لئے آپ وہاں سے پلٹ پڑے۔ قصبہ پنڈیا میں کچھ تاجر بھی جو دلی جارہے تھے آپ کے ساتھ ہوگئے، اثنائے سفر میں ایک دن ایک سو سالہ بڑھیا جو ڈاکوؤں کی جاسوس تھی، افتاں وخیزاں آپ کے پاس آئی۔ آپ نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ اس نے کہا دلی جانا چاہتی ہوں آپ نے اسے بھی قافلہ میں شامل کرلیا۔ اور وہ جتنے روز قافلہ کے ساتھ رہی آپ کے ملازم سے کچھ پیسے روزانہ لے کر خرچ کرتی رہی۔ جب یہ قافلہ سرائے بزیا پہنچا۔ تو اس پیرزالہ نے اپنے ڈاکو ساتھیوں کو اطلاع کردی تھوڑی دیر کے بعد ڈاکوؤں کی جماعت سرائے میں پہنچی آپ اس وقت تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ دو تین ڈاکوؤں نے آپ کے سامنے آکر پوچھا وجیہ الدین کس کا نام ہے۔ جب معلوم ہوا کہ آپ کا نام ہے تو یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے کہ ہمیں تم سے کام نہیں ہے کیونکہ تمھارے پاس مال و متاع بھی نہیں ہے اور پھر ہماری ہم جماعت نے نمک بھی کھایا ہے (غالباً یہ بڑھیا کے پیسہ لینے کی طرف اشارہ تھا) ہمیں اس قافلہ میں فلاں فلاں تجار سے کام ہے اور انہی کا مال واسباب ہمیں لوٹنا ہے۔ ڈاکوؤں نے اگرچہ آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ لیکن آپ نے رفقائے سفر کا ساتھ چھوڑنا پسند نہیں کیا، اور ان کی مدافعت کے لئے تیار ہوگئے۔ اور دونوں طرف سے جنگ شروع ہوگئی۔ آپ نے بڑی پامردی سے ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا۔ لیکن گروہ کا مقابلہ آسان نہ تھا، آپ کے بدن پر بیس بائیس گہرے زخم آئے تھے، جس سے آپ کا جسم بالکل چور ہوچکا تھا کہ اسی حالت میں ایک شقی نے گردن پر ایک کاری ضرب لگائی اور آپ کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ اس طرح آپ کی شہادت کی دیرینہ

آرزو پوری ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

شہادت کے سنہ و تاریخ کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اولاد آپ کی شادی شیخ رفیع الدین محمد[1] کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے تین صاحب زادے شیخ عبدالحکیم، شیخ ابوالرضا

---

[1] شیخ رفیع الدین کا خاندان ملتان کا رہنے والا تھا۔ ان کے اجداد میں شیخ طاہر تعلیم کے لئے بہار گئے، تکمیل تعلیم کے بعد قاضی بدھ حقانی (بہار کے قاضی) نے اپنی صاحبزادی سے ان کی شادی کر دی! اس سلسلہ سے وہ کچھ روز بہار ہی میں رہے، پھر اپنے اہل و عیال کے ساتھ جونپور آئے اور وہیں متوطن ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ حسن بھی کچھ روز جونپور ہی میں رہے۔ لیکن ۸۹۹ھ یا ۹۰۰ھ میں دہلی میں چلے آئے تصوف میں ایک کتاب مفتاح الفیض آپ کی یادگار ہے (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۳۶) انکے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز صاحب اپنے وقت کے بڑے مرتاض بزرگوں میں تھے ۸۹۸ھ میں پیدا ہوئے ۹۷۵ھ میں وفات پائی۔ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

"او را در تواضع و حلم و صبر و رضا و تسلیم و شفقت بر خلق و اعانت فقرا ر نظیر نہ بود، در زمان خود یادگار مشائخ چشت بود، در دہلی بوجود او سلسلہ ارشاد و مشیخت برپا بود"
(اخبار الاخیار ص ۲۶۶)

شیخ عبدالعزیز وحدت وجود کے قائل تھے، کئی کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں۔ وحدت وجود میں رسالہ عینیہ اور تصوف میں رسالہ عزیزیہ اور آداب السلوک ان کی یادگار ہیں۔ شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے شیخ قطب عالم یعنی شاہ عبدالرحیم کے پرنانا بھی اپنے وقت کے اتقیا میں تھے۔ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

"قطب عالم، عالم و فاضل و صاحب اخلاق حمیدہ و صفات پسندیدہ و

محمد اور شاہ عبدالرحیم پیدا ہوئے۔ اور تینوں صاحب علم و فضل اور صاحب

(بقیہ حاشیہ)

قدم صدق و استقامت بر سجادۂ پدر نہادہ اوقات بطاعت و عبادت معمور دارد۔ (اخبار الاخیار ص ۲۶۶)

شیخ قطب عالم کے صاحبزادے شیخ رفیع الدین محمد شاہ عبدالرحیم کے نانا ہیں یہ خواجہ باقی باللہ کے ارشد خلفا میں سے تھے۔ خواجہ باقی باللہ کو شیخ رفیع الدین سے اتنا شدید تعلق تھا کہ لوگ ان کو خواجہ کا محبوب کہتے تھے ان پر بھی وحدت وجود کا بڑا غلبہ تھا آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں پہلی شادی کا کوئی علم نہیں، دوسری شیخ محمد اعظم پوری کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ انہی کے بطن سے شاہ عبدالرحیم صاحب کی والدہ پیدا ہوئیں۔ آپ کی اس شادی میں خود حضرت باقی باللہ اور بہت سے صوفیا شریک تھے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

"خواجہ (باقی باللہ) لاچار شدند و اعظم پور رفتند، صوفیہ آں ناحیہ چوں مقدم خواجہ شنیدند ہمہ جمع آمدند و در نواحی صد کردہ کم کسے باشد از صوفیہ کہ در آں صحبت حاضر نشد مجلس عجیب کہ ہرگز مثل آں مسموع نہ شدہ (انفاس ۱۴۳)

شیخ رفیع الدین نے ایک دن گھر کا تمام سامان جمع کر کے اپنی تمام اولاد میں تقسیم کر دیا جب چھوٹی صاحبزادی یعنی شاہ عبدالرحیم صاحب کی والدہ کی باری آئی تو انہوں نے ان کو چند اوراق میں کچھ اوراد و وظائف اور اپنے پیروں کا شجرہ تھا دیا۔ صاحبزادی کی والدہ نے کہا ابھی لڑکی کی شادی نہیں ہوئی، سامان شادی دینا چاہئے، یہ اوراق دینے سے کیا فائدہ۔ آپنے فرمایا کہ یہ ہمارے بزرگوں کی اصل میراث ہے، جسے میں اس کو دے رہا ہوں انشاء اللہ اسکے بطن سے ایک لڑکا ہوگا جو ہماری معنوی میراث کا مالک ہوگا۔ جب شاہ عبدالرحیم بڑے ہوئے تو انکی نانی نے وہ اوراق انکے حوالے کر دیئے، اور وہ واقعی اس معنوی میراث کے مالک ہوئے۔

رشد وہدایت ہوئے۔ ان میں سے شاہ عبدالرحیم صاحب کے حالات
پیش کئے جاتے ہیں۔ (انفاس ص ۴)

شاہ عبدالرحیم صاحب کا اجمالی تعارف

شاہ عبدالرحیم صاحب نے علم وفضل، جرات، استغناء اور قناعت اپنے اسلاف سے بطور وراثت پائی تھی۔ شاہ صاحب کا دادیہالی اور ناپہالی دونوں خاندان جیساکہ لکھا جاچکا ہے، ہمیشہ صاحب عزت ووجاہت رہے، اور ان کے اکثر وبیشتر افراد فضل وکمال صلاح و تقویٰ کا نمونہ تھے، اور یہ فیض تھا دودمان فاروقی اور مرتضوی سے نسبت و تعلق اور اس شراب دو آتشہ کا۔

شاہ صاحب نے اپنے اسلاف سے علم وفضل، رشد وہدایت اور صلاح وتقویٰ کا جو خزانہ بطور وراثت پایا تھا، اس کی انھوں نے نہ صرف پوری نگہداشت کی، اور اسے ہمیشہ حرز جان بنائے رکھا، بلکہ اس اصل سرمایہ میں بے بہا اضافہ بھی کیا، آئندہ صفحات میں ان کے اسی کارنامے کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

تعلیم وتربیت اور ماحول

شاہ صاحب نے جب آنکھ کھولی تو اپنے گھر کو علم اور دین کے چرچے سے معمور پایا، مدتوں تک اللہ ورسول کے ذکر کے علاوہ کان میں اور کوئی آواز نہیں پڑی، خاندان کے بزرگوں کی موجودگی کی وجہ سے خاندان کا ماحول بھی جادۂ اسلاف سے ہٹا نہیں تھا۔ آپ کے والدین خود شب زندہ دار اور تہجد گزار تھے۔ اس لئے بچپن ہی سے ان کی عبادت اور تہجد اوراذکار واشغال کو دیکھتے اور ان میں شریک ہوتے تھے۔ اسی ماحول میں آپ

کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی اور اسی گہوارۂ احسان و تصوف میں آپ کی روحانیت پروان چڑھی۔

ابتدائی مکتبی تعلیم عام دستور کے مطابق گھر ہی پر ہوئی جب سن شعور کا آغاز ہوا تو عربی شروع کرائی گئی، عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی شیخ ابوالرضا محمد[۱] سے پڑھیں، دس سال کی عمر میں متوسطات کی تکمیل کرلی، خود فرماتے ہیں:

"رسائل صغار تا شرح عقائد و حاشیہ خیالی بہ خدمت مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا گزرانیدم"۔

اس کے بعد میرزاہد[۲] ہروی کی خدمت میں جو اکبرآباد میں عالم گیر کی طرف سے محتسب تھے، پہنچے اور بقیہ کتابیں ان سے پڑھیں۔

استاذ کی شفقت

شاہ عبدالرحیم صاحب میرزاہد کے عزیز ترین تلامذہ میں تھے، میرزاہد ان کی ذہانت اور طباعی

۱۔ انفاس ص ۵ نیز القول الجمیل میں ہے کہ شیخ ابوالرضا اپنے زمانے کے بڑے صاحب حال اور صاحب کرامت بزرگ ہوئے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم صاحب اور ان کے خانوادہ کی روحانی تربیت میں ان کا بڑا ہاتھ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ علمی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انفاس العارفین میں ان کا حال مفصل لکھا ہے۔

۲۔ اس وقت کے مشہور اساتذہ میں تھے اور یونانی فلسفہ و منطق، جو اس وقت تک معیار علم سمجھا جاتا تھا، میں ان کی حیثیت امام کی سمجھی جاتی تھی۔ مآثر الکرام میں ان کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے۔

کی وجہ سے ان سے اس قدر محبت کرتے تھے، کہ جس روز یہ مطالعہ کرکے نہیں آتے تھے اس روز بھی ایک دو سطریں پڑھا دیتے، کہ ناغہ نہ ہونے پائے۔

خود فرماتے ہیں:

ایشاں با من التفات بسیار می کردند بحدے کہ می گفتم کہ امروز مطالعہ نہ کردہ ام می گفتند یک دو سطر خوانید کہ ناغہ نشود۔ (انفاس ص ۳۲)	استاذ محترم میری طرف بے حد توجہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر میں جس دن مطالعہ کرکے نہیں آتا تھا تو فرماتے کہ اچھا دو ایک سطر پڑھ لو تاکہ ناغہ نہ ہو۔

استاذ اور شاگرد میں غایت تعلق کی وجہ سے ایک طرح کی مساوات اور بے تکلفی ہو گئی تھی۔ میرزاہد کے اس مساویانہ برتاؤ سے جو اپنے وقت کے ارسطو اور افلاطون سمجھے جاتے تھے، لوگوں کو سخت تعجب ہوتا تھا[1]

ایک روز عالم گیر نے میرزاہد کو کسی ضرورت سے بلا بھیجا، وہ جانے کا قصد کر ہی رہے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب پہنچ گئے، انہوں نے مکان کا دروازہ بند کر دیا، اور کہا کہ جب تک میرا فلاں کام نہ ہو جائے گا آپ کو نہ جانے دوں گا۔ میرزا صاحب نے کہا اس وقت پراگندہ خاطر ہوں۔ بادشاہ کے پاس سے واپس ہو کر اس کام کو انجام دوں گا۔ لیکن شاگرد نے پھر اصرار کیا، آخر کار وہ ٹھہر گئے، اور اس کام کو انجام دینے کے بعد دربار میں گئے۔[2]

جودت طبع اور قوت مطالعہ

شاہ صاحب لڑکپن ہی سے نہایت ذہین اور ذکی تھے۔ جودت طبع اور قوت مطالعہ کا یہ حال تھا کہ ان کے اساتذہ اور ہم سبق ان کے نئے نئے سوالات اور اعتراضات سے گھبرا جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے

---

[1] انفاس ص ۳۲ [2] ایضاً

بڑے بھائی شیخ ابو الرضا سے ؐ بالی پڑھ رہے تھے، اثنائے درس میں کوئی اعتراض کیا، شیخ نے جو ب دیا، لیکن انھیں تسکین نہیں ہوئی، انھوں نے دوبارہ اعتراض کیا۔ اور استاذ و شاگرد میں بحث و مباحثہ نے اتنا طول کھینچا کہ استاذ ناخوش ہو گئے اور انھوں نے پڑھانا چھوڑ دیا۔

شرح ملا جامی میں عطف کے بیان میں ایک عبادت دقیق ہے جس کے حل کرنے میں اکثر فضلا، اٹک جاتے ہیں، مطالعہ کے دوران انکے دل میں اعتراض پیدا ہوا، صبح کو انھوں نے اسے اپنے ہم سبق شیخ حامد سے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ میرے ذہن میں بھی یہی اعتراض آیا تھا۔ شاید توارد ہو گیا ہے، دوسرے روز اس اعتراض کو حل کیا، اور اس عبارت پر ایک دوسرا اعتراض پیدا کیا۔ اسی طرح کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔[1]

اگرچہ تعلیم کی تکمیل میر زاہد کی خدمت میں کی تھی، لیکن یہ تحصیل تحصیل حاصل تھی، اس لئے کہ اکثر کتاب کے شروع کا حصہ میر زاہد سے پڑھتے تھے اور آخر کے حصہ کا خود درس دیتے تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

"اگرچہ اتمام تحصیل بخدمت میر زاہد کردم، اما گویا تحصیل حاصل می شد بسا می بود کہ از اول کتاب می خواندم واز آخر درس می گفتم"۔[2] (انفاس[16])	اگرچہ میں نے تحصیل علم کی تکمیل شیخ میر زاہد سے کی مگر یہ تحصیل تحصیل حاصل تھی اکثر ہوتا تھا کہ کتاب کا ابتدائی حصہ میں شیخ سے پڑھتا اور اسی کتاب کے آخری حصہ کا خود درس دیتا۔

یہ تو صاف پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے حدیث و فقہ اور تفسیر کس سے پڑھی

---

[1] انفاس ص ۱۵ [2] یہ اس شخص کے متعلق کہہ رہے ہیں جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا اور مسلم معقولی تھا۔

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوالرضا ہی سے پڑھی ہوگی۔ اس لئے کہ ان کے دوسرے استاذ میر زاہد ہروی ہیں، جو اس کوچہ سے بالکل نابلد تھے اور تیسرے کسی کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، اور حقیقۃً ان علوم کی تکمیل میں تعلیم و تعلم سے زیادہ ان کی فطری مناسبت اور بزرگوں کی محبت کا اثر تھا۔

درس و تدریس شاہ صاحب نے تکمیل تعلیم کے بعد ایک مدرسہ قائم کیا۔[1] جس میں انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ ان کے درس میں فقہ و تصوف، کلام و فلسفہ کے علاوہ قال اللہ و قال الرسول کی آواز بھی، جو ہندوستان میں ابھی عام نہیں ہوئی تھی سنائی دیتی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو قرآن و حدیث کی روشنی جس کو انہوں نے اتنا پھیلایا کہ سارا ہندوستان منور ہو گیا۔ سب سے پہلے اپنے والد شاہ عبدالرحیم ہی کے درس سے ملی تھی۔

آپ کی دی ہوئی کئی سندیں آپ کے مجموعہ مکتوبات[2] میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ تین چیزوں کی اجازت آپ خاص طور سے دیتے تھے، تفسیر حدیث، اور تصوف، ایک سند میں فرماتے ہیں۔

اجزته لدرس التفسیرِ والحدیث   میں نے تفسیر و حدیث کے درس کی اجازت دی۔

---

[1] اس مدرسہ کا نام آپ کے بعد مدرسہ رحیمیہ پڑا۔ آج بھی یہ مدرسہ اس نام سے زندہ ہے

[2] انفاس رحیمیہ کے نام سے آپ کے چھوٹے صاحبزادے شاہ اہل اللہ صاحب نے آپ کے مکاتیب کو جمع کیا تھا۔ جو مطبع مجتبائی میں ۱۹۱۵ء میں چھپ گیا ہے۔ اس مجموعہ میں آپ کی دی ہوئی کئی سندیں بھی نقل کی ہیں۔

دوسری سند میں فرماتے ہیں۔

وتعلم منی علم التفسیر والحدیث والتصوف۔ | مجھ سے انہوں نے علم تفسیر وحدیث اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے علم وفضل کے بیان میں ہم اس کی اور تفصیل کریں گے۔ آپ کے تلامذہ اور متوسلین کی فہرست بہت ملی جلی ہے۔ اس لئے ہم دونوں کی فہرست آگے چل کر ایک ہی جگہ دیں گے۔

روحانی تربیت

علم ظاہر کے ساتھ ہی ساتھ گھر کے ماحول میں ان کی باطنی تربیت بھی شروع ہو چکی تھی۔ اور غیر محسوس طور پر ان کی روحانیت فروغ پا رہی تھی۔ شاہ صاحب کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ احسان اور تصوف سے ان کو فطری لگاؤ تھا، جس کے آثار بچپن ہی سے نمایاں ہونے لگے تھے، خود بیان فرماتے ہیں کہ میرے ماموں شیخ عبدالحیٔ اپنے لڑکوں کی حالت دیکھ کر فرماتے تھے کہ

ترسیدم کہ سر اسلاف ما از عقب ما منقطع گردد۔ | مجھے خوف ہے کہ اپنے اسلاف کا طریقہ ہمارے بعد منقطع نہ ہو جائے۔

لیکن ایک روز مجھے بڑے اہتمام سے وضو کرتے ہوئے دیکھا تو بے حد مسرور ہوئے اور فرمایا کہ:

"حالا معلوم شد کہ حامل آں سرور خاندان ما بودہ است اگر در اولاد پسر نیست چہ باک در اعقاب دختری ہست۔" (انفاس ص۴)

(ترجمہ) اب معلوم ہوا کہ اب بھی خاندان کی لاج رکھنے والا موجود ہے اولاد نرینہ میں نہ سہی اولاد ختری ہی میں سہی۔

ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں نے بھی ان کے صلاح و رشد کو دیکھ کر

یہ اندازہ لگایا تھا، کہ یہ بچہ اس راہ میں کسی ممتاز شخصیت کا مالک ہوگا شاہ صاحب کے مرشد حافظ سید عبداللہ صاحب نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا کہ جب تم چھوٹے تھے، اور لڑکوں کے ساتھ لہو ولعب میں مشغول رہتے تھے اس وقت سے میری طبیعت تمھاری طرف مائل تھی، اور میں تمھارے لئے یہ دعا کرتا تھا۔

بارے خدایا این طفل را از اولیا گرداں (انفاس ص۱۱)

بارہ برس کی عمر میں آپ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، اس کے بعد سے آپ کے روحانی ذوق میں ایک غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا۔ اور ذکر واذکار میں پہلے سے زیادہ دلبستگی پیدا ہوگئی۔

بیعت کا مقصد یوں تو فطری صلاحیت کی بنا پر آپ نے احسان و تصوف کی بہت سی منزلیں طے کرلی تھیں، لیکن ان میں پختگی اور دوام کے لئے کسی ہاتھ میں ہاتھ دینے کی ضرورت تھی۔ اس خواب کے بعد آپ نے بیعت کا قصد کیا۔ لیکن ابھی اس کی نوبت نہیں آنے پائی تھی، کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبند شیخ عبدالعزیز شکربار کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں۔

اے فرزند ارادت بکسے مدہ تا آں کہ حضرت خواجہ ترا قبول نہ فرمایند	اے صاحبزادے ارادۂ بیعت کسی سے نہ کرو جب تک خواجہ تم کو قبول نہ کرلیں۔

شاہ صاحب صبح کو حضرت خواجہ خرد (حضرت باقی باللہ کے چھوٹے صاحبزادے) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواب کی تعبیر پوچھی اور تعبیر ملنے سے پہلے ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ شہر میں اس لقب (خواجہ) سے آپ کے سوا کوئی مشہور نہیں ہے۔ غالباً یہ اشارہ آپ ہی کی طرف ہے، اس لئے

اپنی خدمت میں قبول فرما لیجئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس خواب میں اشارہ میری طرف نہیں ہے۔ بلکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ انشاء اللہ تم کو زیارت نصیب ہوگی۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ سعادت بھی نصیب ہوئی۔

کچھ روز کے بعد پھر خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہو کر دوبارہ بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے ازراہِ تواضع یہ عذر کیا کہ میں اتباع سنت میں متساہل ہوں اور یہ نہیں چاہتا کہ تمھارا قدم جادۂ شریعت سے ذرہ بھی الگ ہو۔

بیعت کا مشورہ

شاہ صاحب نے کہا کہ پھر آپ ہی مشورہ دیجئے کہ میں کس سے بیعت ہو جاؤں۔ خواجہ خرد نے فرمایا کہ اگر سید آدم بنوری کے خلفاء میں کوئی مل جائے تو اس سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے حافظ سید عبداللہ کا نام لیا۔ خواجہ صاحب نے تائید فرمائی۔ چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت ہوئے۔

فرماتے ہیں۔

باوجود آنکہ طریق اخفار وخمول برایشاں غالب بود در اول مرۃ بیعت قبول نمودند۔ (انفاس ص۲)	اگرچہ ان پر اخفار اور گوشہ گیری غالب تھی، مگر پہلی ہی درخواست پر انھوں نے بیعت کر لیا۔

حافظ صاحب ان کو بیحد عزیز رکھتے تھے، کبھی کوئی خدمت نہیں لیتے تھے۔ اگر وہ کبھی ارادہ بھی کرتے تو حافظ صاحب ٹال دیا کرتے تھے ایک مرتبہ شاہ صاحب خدمت کی غرض سے حاضر ہوئے۔ مرشد نے تھوڑی سی خدمت لے کر فرمایا کہ۔

ایں خطرہ (خدمت) رابخاطر خود راہ	خدمت نہ کرنے کا جو خیال لاحق ہے

نہ ہید کہ جمیع حقوق صحبت چہ ظاہری وچہ باطنی ہمہ عفو کردم (انفاس ص۱۲) — اسے دل سے نکال دو میں نے ظاہری وباطنی ہر طرح کی خدمت سے بری کر دیا ہے۔

اس دوران میں آپ کی آمد ورفت خواجہ خرد کے پاس بھی ہوتی رہی، اور ان سے بھی استفادہ اور صحبت کا سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ شاہ صاحب ان سے باقاعدہ بیعت نہ تھے لیکن ان کی صحبت سے پورا فائدہ اٹھایا خواجہ صاحب کی حیثیت تقریباً مرشد کی تھی۔ مگر انہوں نے شاہ صاحب سے ہمیشہ عزیزانہ برتاؤ رکھا۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم سے خواجہ صاحب کی مجلس میں کسی مے خوار سے بحث ہوگئی۔ شاہ صاحب ناخوش ہو کر چلے آئے، اور ارادہ کیا کہ اب خواجہ کی مجلس میں نہ جاؤں گا۔ دو تین روز کے بعد خواجہ خرد ان کے مکان پر آئے، اور بہت ہی لطف ومحبت سے ناخوشی دور کی[1]

خلیفہ ابوالقاسم حافظ صاحب کی وفات کے بعد آپ کو کسی دوسرے مرشد کی تلاش ہوئی۔ کسی نے ابوالقاسم[2] اکبرآبادی کا ذکر کیا۔ شاہ صاحب اکبرآباد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کی بڑی پذیرائی کی، اور بہت شفقت اور عنایت سے پیش آئے۔ ان کی تربیت میں خاص توجہ کی، شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

تا آنکہ بعض قدیماں برمن حسد می بردند[3] — یہاں تک کہ بعض قدیم لوگ حسد کرنے لگے۔

حضرت خلیفہ کو اس قدر تعلق خاطر تھا کہ جب شاہ صاحب کو بیعت و

---

[1] انفاس ص ۱۸ [2] انفاس [3] ایضاً ص ۲۰

وارشاد کی اجازت دی توایک بڑی دعوت کی جس میں بہت سے خواص وعوام شریک ہوئے اور اس مجمع کے سامنے حضرت خلیفہ نے شاہ صاحب کے سر پر دستار ارشاد و خلافت باندھی۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کو بھی مرشد سے بڑی محبت تھی خود فرماتے ہیں کہ حضرت خلیفہ مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ" درویشاں شہر رازیارت کنید" (شہر کے دوسرے بزرگوں سے بھی ملاقات کیا کرو۔) لیکن میں اس سے اس لئے پس و پیش کرتا تھا، کہ مرشد سے تعلق کی یکسوئی میں فرق نہ آجائے

ایک دن حضرت خلیفہ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ سید عظمت اللہ (جو چشتیہ سلسلہ کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے) کی خدمت میں جاؤ۔ ان کو حسب معمول اس میں تامل ہوا۔ تو آپ نے خادم سے کہا کہ ان کو سید صاحب کی خدمت میں لے جاؤ۔ چنانچہ آپ خادم کے ہمراہ سید صاحب کی خدمت میں گئے وہ زنان خانہ میں صاحب فراش تھے۔ اس لئے پہلے تو انہوں نے معذرت کردی۔ لیکن جب حضرت خلیفہ کی نسبت کا خیال آیا تو خادم سے چارپائی اٹھوا کر باہر تشریف لائے اور شاہ صاحب سے نام و نسب پوچھا، انھوں نے بتایا، مگر شیخ عبدالعزیز شکربار کی نسبت کا اظہار نہیں کیا۔ مگر باتوں باتوں میں جب سید صاحب کو اس بات کا علم ہوگیا، تو وہ فوراً چارپائی سے نیچے اتر آئے، بیحد تواضع و شفقت فرمائی، ان کے سر پر عمامہ باندھا، اور کچھ نقد اور تبرکات جو شیخ عبدالعزیز شکربار نے ان کے دادا کے حوالہ کئے تھے وہ شاہ صاحب کے سپرد کر دیئے۔

شاہ صاحب یہ تبرکات لے کر خلیفہ کی خدمت میں آئے اور ان کے سامنے انھوں نے فرمایا کہ:

نقد اشارت است جمعیت ظاہر و عمامہ اشارت باجازت و جمعیت باطن دریں ہر دو امر شریک نتوان شد۔ (انفاس ۳۲)

نقد سے اطمینان ظاہری کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ سے جمعیت باطن کی طرف اشارہ اور یہ دونوں چیزیں کم جمع ہوتی ہیں۔

اس جمعیت ظاہر کی بشارت کے بعد خود شاہ عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ معاشی پراگندی کا سوال ان کی زندگی میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور نہ جمعیت باطن کی اس خوشخبری کے بعد انھیں حیات اخروی کے لئے کبھی کوئی دشواری اٹھانی پڑی۔ (الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۱۸۶)

تلامذہ اور متوسلین شاہ صاحب کے تلامذہ اور متوسلین کی کوئی تفصیل تذکروں میں موجود نہیں ہے۔ اس لئے صحیح تعداد تو نہیں بتائی جاسکتی، لیکن ان کے مکتوبات اور حالات کے ضمن میں جن لوگوں کے نام مل سکے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) شاہ ولی اللہ (۲) شاہ اہل اللہ شاہ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے جنھوں نے انکے مکتوب انفاس رحیمیہ کے نام سے جمع کئے ہیں۔ (۳) شیخ محمد[۱] (۴) شیخ معظم (۵) دلدار بیگ (۶) شیخ زین العابدین[۲] (۷) شیخ عبداللہ جیو، شیخ ابوالقاسم کے صاحبزادے (۸) شیخ عبدالوہاب (۹) خواجہ احمد (۱۰) شیخ عبیداللہ (۱۱) حبیب الدین (۱۲) فیض اللہ (۱۳) حسام الحق یا حسام الدین یہ اسماء انفاس رحیمیہ سے لئے گئے ہیں۔ (۱۴) مولوی نذر محمد جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مشہور تھے، (۱۵) شاہ گل، یہ نام شاہ عبدالعزیز صاحب

---

۱ ان کے نام کئی خط ہیں ۲ ان کے نام بھی متعدد خطوط ہیں

کے ملفوظات سے لئے گئے ہیں۔ (۱۶) شیخ محمد فاضل (۱۷) شیخ عبداللہ چلپیؒ مترجم فتاویٔ عالم گیری (۱۸) مرزا علی خوانی (۱۹) شیخ محمد غوث پھلتی یہ نام انفاس العارفین سے لئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے متوسلین میں دو خاتونوں کا نام بھی ملتا ہے۔ (۲۰) ام عبیداللہ انفاس رحیمیہ میں ان کے نام ایک خط موجود (۲۱) بی بی شریفہ خانم شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ از مستفیضان جد شریف بود صاحب توجہ وکشف۔ (ص ۱۱۹)

طبابت اور ذریعۂ معاش

شاہ صاحب کے خاندان میں امراض روحانی کے علاج کے ساتھ ساتھ جسمانی امراض کے معالجہ کا بھی سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا تھا خود شاہ صاحب نے اس کی تکمیل کی تھی اور اس میں مہارت بہم پہنچائی تھی۔ ان کی مہارت فن کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

ایک مرتبہ بارہسہ کے دیہات میں گئے ہوئے تھے۔ وہاں ان کے سامنے کسی مریض کا قارورہ لایا گیا۔ انہوں نے دیکھ کر نسخہ تجویز کردیا۔ اس وقت ایک ہندو طبیب موجود تھا۔ اس نے کہا کہ آپ نے مرض کی تشخیص اچھی طرح کرلی ہے یا نہیں؟ شاہ صاحب مسکرائے اور فرمایا، یہ عورت کا قارورہ ہے

لہ شاہ صاحب نے ان کا بڑا شہرہ سنا تھا، ایک دن ان سے ملنے گئے مگر مل کر خوش نہیں ہوئے۔ ایک روز کسی مجلس میں شاہ صاحب سے ان کی پھر ملاقات ہوگئی عبداللہ چلپی نے کوئی دعا پڑھی اور اعراب میں کچھ غلطی کی، شاہ صاحب نے انہیں ٹوکا، اس طرح سے دونوں میں کچھ مناظرہ کی شکل پیدا ہوگئی لیکن آخر میں عبداللہ چلپی نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور شاہ صاحب سے بیعت ہوگئے۔ (انفاس العارفین ص ۵۴)

اسے فلاں فلاں بیماری ہے، اور اس کے اسباب یہ ہیں، اس طبیب نے پھر آپ سے پوچھا کہ یہ کس کتاب میں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا۔

ایں طب نیست فراست صادقہ محمدیان است (انفاس ۵۹)

یہ کسی طب کی کتاب میں نہیں ہے بلکہ فراست امت محمدیہ ہے۔

ان کی مہارت فن کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

درطب حدس ایشاں بغایت رسا وسلیم بود۔ (انفاس ۸٦)

طب میں بڑا درک تھا اور سلامت روی تھی۔

شاہ صاحب کے بعد بھی یہ فن ان کے خاندان میں علمی حیثیت سے باقی رہا۔ مگر عملی حیثیت سے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا سلسلہ بند کر دیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ہے۔

حکمت ہم درخاندان ما معمول بود چنانچہ جد بزرگوار وعم فقیر (غالباً شاہ اہل اللہ صاحب) دوامی کردند والد ماجد بندہ موقوف ساختہ (ص ۲۲)	طبابت ہمارے خاندان کا معمول تھا چنانچہ میرے دادا اور چچا علاج کیا کرتے تھے مگر والد ماجد نے اسے موقوف کر دیا تھا۔

لیکن یہ تصریح نہیں مل سکی کہ شاہ عبدالرحیم صاحب یا ان کے اجداد نے طبابت کا پیشہ ذریعہ معاش کے لئے اختیار کیا تھا، یا صرف خدمت خلق کے لئے یا دونوں شکلیں تھیں۔ "دوامی کردند" اور "موقوف ساختہ" وغیرہ الفاظ سے دونوں صورتیں نکل سکتی ہیں۔ مگر قرائن[1] سے پتہ چلتا ہے کہ اس پیشہ کو شاہ

---

[1] ان کے اجداد میں مفتی شمس الدین سے قاضی محمود تک غالباً عہدۂ قضا ہی ذریعہ معاش رہا۔ اس کے بعد فوجی ملازمت شروع ہوئی، اور غالباً عہدۂ قضا کی جگہ اس نے

(بقیہ صـ ٦٤ پر)

صاحب یا ان کے اجداد نے ذریعۂ معاش نہیں بنایا تھا

وفات

فرخ سیر کے عہد میں بروز چہار شنبہ ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ ،، برس کی عمر میں وفات پائی اور مقام مہدیوں جہاں اس خانوادہ کے دوسرے گوہر شب چراغ پوشیدہ ہیں، آپ بھی مدفون ہوئے

علم و فضل

اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی علیہ الرحمہ کے اجداد میں قاضی محمود نے عہدۂ قضا چھوڑ کر حکومت

(بقیہ حاشیہ ص ٦٣)

لے لی شاہ صاحب کے دادا شیخ معظم شاہی ملازمت کیساتھ ساتھ ایک بڑی جائداد کے بھی مالک تھے۔ شیخ وجیہ الدین یعنی شاہ صاحب کے والد بھی عالمگیری فوج میں ملازم تھے۔ اسلئے ان میں کسی کو طبابت کے ذریعۂ معاش بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نے البتہ نہ کوئی ملازمت کی اور نہ ہی شاہی دربار اور امراء سے کوئی مدد لی۔ اسلئے وہ طبابت کو ذریعۂ معاش بنا سکتے تھے۔ مگر ان کے حالات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ صلحا کے طریقہ کے مطابق انھوں نے بھی قناعت و توکل ہی کی زندگی بسر کی۔ اور مستقل طور سے کوئی ذریعۂ معاش اختیار نہیں کیا۔ لیکن مرشد کی دعا کے مطابق انھیں جمعیت ظاہر کی دولت ہمیشہ نصیب رہی۔

شاہ صاحب کے محلہ میں ایک بزرگ خواجہ ہاشم رہتے تھے۔ انھوں نے ایک دن شاہ صاحب سے بطور امتحان کہا کہ میں ایک درود جانتا ہوں جس کے پڑھنے سے آدمی متمول ہو جاتا ہے۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا۔

خدائے تعالیٰ مرا بواسطہ والد من قدر ضروری می رساند دیگر احتیاج ندارم۔ (انفاس ص ۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والد محترم شیخ وجیہ الدین کچھ جائداد چھوڑ گئے تھے۔

کے دوسرے کام سنبھال لیے تھے، جس سے ان کے خاندان میں علم کا چرچا بالکل ختم تو نہیں ہوا مگر اس میں کمی ضرور آگئی۔ قاضی محمود کے بعد بھی بہت دنوں تک اس خاندان میں علمی زندگی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی۔ لیکن شاہ عبدالرحیم صاحب کی ذات سے دوبارہ چرچا شروع ہوا اور انھوں نے خاندان کی قدیم علمی روایات کو زندہ کیا اور پھر سے ان علمی مشاغل کو رواج دیا۔ جو ایک ایک کرکے خاندان سے مٹ رہے تھے۔ شاہ صاحب کی علمی استعداد اور ذہانت کا کچھ تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے چند واقعات یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں۔

شاہ صاحب کے استاذ میرزاہد ہروی نے معقولات اور علم کلام کی کتابوں پر جو اہم حواشی (زوائد ثلاثہ) لکھے ہیں آج تک عربی درسگاہ اور خصوصاً درس نظامی کا ضروری جزء ہیں۔ ان اہم اور دقیق حواشی کی تحریر و ترتیب میں شاہ عبدالرحیم صاحب کی بھی شرکت تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

ظاہراً تسوید حاشیہ شرح مواقف بہ تقریب قرأۃ حضرت ایشاں بود۔[1]

والدمحترم کے درس کی وجہ سے مواقف کا حاشیہ انھوں نے لکھا۔

شاہ عبدالعزیز اس کو اور واضح طور سے لکھ رہے ہیں۔

وشریک مسودۂ حواشی بودند۔[2]

وہ اس حاشیہ کے لکھنے میں شریک رہے

فقہ پر شاہ صاحب کی بڑی گہری نظر تھی۔ خود ان کے استاذ میرزاہد کو بھی اس کا اعتراف تھا۔ ایک مرتبہ کسی رئیس نے میرزاہد سے شرح وقایہ

---

[1] انفاس العارفین ص ۳۴۔ [2] ملفوظات ص ۸۲

پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ میرزاہد نے منظور تو کر لیا، مگر جب تک شاہ صاحب موجود نہیں ہوتے تھے، سبق نہیں پڑھاتے تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں۔

"امیرے شرح وقایہ می خواند بے جد بزرگوار سبق نمی فرمود۔"

ملفوظات ص ۸۳

علمی مجلسیں اور مباحثے

سید شیخ علم اللہ (شیخ آدم بنوری کے خلیفہ) نے تمباکو کی تحریم میں ایک رسالہ[1] لکھا تھا۔ اور قرآن کی اس آیت:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ	اس روز کا انتظار کیجئے جب آسمان
(دخان)	پر ایک صاف اور ظاہر دھواں دکھائی دے۔

سے تحریم پر استدلال کیا تھا، انہوں نے اس رسالہ کو اپنے دو شاگردوں کے ذریعہ علمائے دہلی کے پاس تصویب کے لئے بھیجا، اتفاق سے وہ طالب علم سب سے پہلے یہ رسالہ شاہ عبدالرحیم کے پاس لائے، انھوں نے دیکھ کر فرمایا کہ اس آیت سے یہ استدلال غلط ہے اور اسکے شان نزول[2]

---

[1] دلی میں اس وقت تمباکو کے جواز اور عدم جواز اور تحریم و اباحت پر بڑے زور کی مناظرانہ بحثیں اور رسالہ بازی ہو رہی تھی، سید شیخ علم اللہ علیہ الرحمہ عہد عالمگیری کے مشہور بزرگ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے جد امجد ہیں جن کا مزار تکیہ رائے بریلی میں ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان کے حالات میں مستقل کتاب لکھ دی ہے۔

[2] اس آیت میں قحط زدوں کی حالات اور کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

کی علمائے تفسیر کی آرار اور فقہ وحدیث کی روشنی میں اس آیت کا مطلب واضح کیا۔ وہ لوگ تائید کے متوقع تھے اس لئے شاہ صاحب کی بات پسند نہیں آئی، اور وہ ناخوش ہوکر چلے گئے۔

ملا یعقوب تمباکو کی اباحت کے قائل تھے۔ اور اس کے جواز کے ثبوت کے لئے درس کے اوقات میں بھی حقہ پیتے تھے۔ سید علم اللہ کے شاگرد شاہ صاحب کے یہاں سے ملا یعقوب کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے رسالہ پیش کیا، انہوں نے اباحت کے دلائل کو ان کے سامنے بیان کیا، وہ دونوں طالب علم پھر شاہ صاحب کے پاس آئے، انھوں نے فرمایا کہ تم نے تحریم کا جو دعویٰ پیش کیا تھا وہ تو بہر حال غلط ہے! اس کے بعد آپ نے ملا یعقوب کے استدلالات کے متعلق فرمایا کہ ان سے جاکر پوچھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد اسی لئے تو حرام کرلیا تھا کہ حضرت زینب رض نے کہا تھا کہ آپ کے منہ سے مغافیر (بدبودار پھول) کی بو آتی ہے، شہد سے آپ کی کراہت کی وجہ کیا تھی؟ حدیث میں لہسن اور پیاز کے کھانے کے بعد فلا یقربن مَسجد نا (ہماری مسجد کے قریب نہ جائیں) کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند اور بدبو کو ناپسند فرماتے تھے۔ ان آیات اور احادیث سے کیا یہ پتہ نہیں چلتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر بدبو دار چیز ناپسند اور بار خاطر ہوتی تھی، اس لئے اتباع سنت اور تقویٰ کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس قسم کی تمام چیزوں کو ترک کر دیا جائے' یہ دونوں طالب علم پھر ملا یعقوب کے پاس آئے، اور شاہ صاحب کی پوری تقریر نقل کی، ملا یعقوب نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا اور حقہ پینا

چھوڑ دیا۔

مسائل میں شاہ ولی اللہ صاحب کی اعتدال پسندی شاہ عبدالرحیم صاحب ہی کے فیض صحبت کا نتیجہ تھی۔

ایک مرتبہ شاہ صاحب کے مکان پر شہر کے علماء و صلحاء کا مجمع تھا، اس مجمع میں ایک شخص نے سوال کیا کہ خواجہ حافظ تو کہتے ہیں کہ:

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است
درحیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

اور عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، وجہ تطبیق کیا ہے؟ اس سوال پر سب نے اظہار خیال کیا، مگر کوئی بات طے نہ پا سکی۔ آخر میں لوگوں نے شاہ صاحب سے رجوع کیا۔ انھوں نے علمی انداز میں شعر کی تشریح کی اور فرمایا کہ:

خدائے تعالیٰ محتجب است محجوب نیست
یعنی وہ اپنی ذات کی طرف سے تو عیاں ہے، مگر ہماری آنکھوں کے لئے وہ پوشیدہ ہے۔

خواجہ صاحب نے حالت شوق میں فرمایا ہے کہ اے خدائے تعالیٰ تیرا جمال عام ہے اور یہ ہماری آنکھوں کا قصور ہے کہ تجھے وہ دیکھ نہیں پاتیں۔ تو پھر آنکھوں کا پردہ کیوں نہیں اٹھا دیتا، کہ وہ اس دنیا میں تجھے دیکھ لیں، وعدۂ فردا سے کیا فائدہ۔ تمام مجمع نے شاہ صاحب کی اس تشریح کی تحسین کی۔ اور اسے قبول کیا۔

ایک مرتبہ شاہ صاحب کسی صاحبِ حال بزرگ سے ملنے گئے

انہوں نے فرمایا میرے دل میں بہت دنوں سے یہ خدشہ پیدا ہو رہا ہے اور کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا، کہ علماء کہتے ہیں کہ دنیا میں رویت باری محال ہے، اور میں بالکل عیاں اور ظاہر طور سے دیکھتا ہوں، اگلے صوفیہ نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، یہ شعر اسی معنی میں کہا گیا ہے۔

دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند
ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

شاہ صاحب نے کہا آپ فرماتے ہیں کہ ظاہر و عیاں دیکھ رہا ہوں، یہ بصیرت کا بصر سے اشتباہ ہے، پھر فرمایا اپنی آنکھ بند کیجیے، انہوں نے بند کرلی، شاہ صاحب نے ان سے پوچھا کہ اس وقت آپ کا وہ پہلا ادراک باقی ہے یا نہیں، انہوں نے فرمایا ہاں باقی ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا یہی اشتباہ کی پہچان ہے۔ اس وقت آپ کو (آنکھ بند کرنے کی صورت میں) جو ادراک ہو رہا ہے، وہ بصر کا نہیں بلکہ بصیرت کا ہے۔ اور آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی بصر ہی کا ہے، اسی طرح آپ رویت باری کا مشاہدہ تو دیدۂ بصیرت سے کرتے ہیں مگر سمجھتے ہیں کہ یہ مشاہدہ بصر سے ہو رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی دقت نظر اور تطبیق بین المسائل کی خصوصیت میں بڑی حد تک شاہ عبدالرحیم صاحب کی متوازن ذہنیت اور تربیت کا بھی ہاتھ تھا۔ خود شاہ ولی اللہ صاحب نے کئی جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے

متن قرآن کی تعلیم

ہندوستان میں علم دانائی اور معقولات کے مقابلہ میں دوسرے دینی علوم کی حیثیت ہمیشہ ثانوی رہی ہے اور اس سے بہت کم اعتنا کیا گیا دسویں

صدی ہجری میں محدث دہلوی کے فیض سے حدیث کا چرچا تو عام ہوا، مگر قرآن ابھی تک بیضاوی اور کشاف ہی کے ذریعہ سمجھا جارہا تھا متن قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا رواج ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ ہندوستان کے علماً میں شاہ عبدالرحیم صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن کو فلسفہ اور منطق کے سہارے کے بغیر پڑھا پڑھایا، اور ہندوستان میں اس سنت حسنہ کو زندہ کیا، ان کے بعد ان کے خانوادہ نے اس طریقہ کو اپنے ترجموں اور درس و تدریس کے ذریعہ عام کر دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

غالبا در حلقہ یاران بیرون از تلاوت ہر روز دو رکوع بہ تدبر و بیان معانی می خواندند۔ (انفاس ص ۸۶)	اکثر باہر سے آئے ہوئے دوستوں سے ملاقات کے بعد روزانہ دو رکوع قرآن پاک کی تلاوت الفاظ و معانی پر تدبر کے ساتھ معمول تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب جہاں اپنے اوپر انعام الٰہی کا ذکر کرتے ہیں وہاں اپنے والد کے اس طریقۂ درس کو اپنے لئے نعمت عظمیٰ اور فتح عظیم فرماتے ہیں۔ جزء لطیف میں ہے۔

از جملہ منن عظمیٰ بریں ضعیف آں بود کہ چند بار در مدرسہ قرآن عظیم باتدبر ... بہ خدمت ایشاں حاضر شدم و ایں معنی سبب فتح عظیم افتاد (انفاس ص ۲۰۲)	اللہ تعالیٰ کے جو عظیم احسانات اس بندہ پر ہیں اس میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ والد کے مدرسہ قرآن کے درس میں حاضر ہوتا جس سے اللہ تعالیٰ نے معانی کے دروازے کھول دیئے

حکمتِ عملی

عام طور پر علماء نے ارسطو کی فلسفیانہ حکمت نظری ہی کی طرف توجہ کی اور اسی کو اپنا سرمایہ فخر سمجھا اور حکمت عملی کی طرف جو خالص اسلامی چیز ہے، اس کی طرف توجہ بہت کم ہوئی جس کا

نتیجہ یہ ہوا کہ علمار کے اکثر و بیشتر افراد زندگی کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات میں عملی جدو جہد سے یکسر محروم ہو گئے اور عام طور پر یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ لوگ کشاکش حیات میں کوئی کام نہیں آسکتے۔ لیکن شاہ عبدالرحیم صاحب کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ انھوں نے حکمت نظری کے ساتھ ساتھ حکمت عملی کو بھی اپنایا اور اس کو زندگی میں برتنے اور سیکھنے پر زور دیا، انفاس میں ہے :

حضرت ایشاں.. عقل معاش شل عقل معاد کامل دو افراد اشتند و در مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیاری آموختند

والد محترم عقل معاد کے ساتھ دنیاوی معاملات کی بھی عقل رکھتے تھے اور اپنی مجلس اور صحبت میں آداب زندگی بھی سکھایا کرتے تھے

شاہ ولی اللہ صاحب کو حکمت عملی کی تعلیم جس کو انہوں نے پھیلا کر ایک دفتر بنا دیا، سب سے پہلے گھر ہی سے ملی تھی۔ فرماتے ہیں۔

(حضرت ایشاں) ایں فقیر، اور مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیار می آموختند۔ (ص۸۴)

والد محترم نے اس فقیر کو حکمت عملی کی بھی کافی تعلیم دی۔

ذوق سخن

اب آخر میں شاہ صاحب کے کچھ حکیمانہ جملے نقل کئے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کو ذوق سخن سے بھی حصہ ملا تھا۔ اور وہ بڑے سخن فہم اور کسی حد تک سخن گو بھی تھے۔ افہام و تفہیم کے وقت بکثرت اشعار پڑھتے تھے۔ اشعار میں ایسے نکات پیدا کرتے تھے کہ ان کے بزرگ بھی تحسین کے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ان کی نکتہ آفرینی کے دو ایک واقعے نقل کئے جا چکے ہیں۔ ایک واقعہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ صاحب پہلی مرتبہ اپنے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کی خدمت میں

گئے تو وہ گھر کی تعمیر میں مشغول تھے، اور زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

ہر کرا کہ ذرہ وجود بود — پیش ہر ذرہ در سجود بود

شاہ صاحب نے "وجود" کے لفظ کو "شہود" سے بدل کر پڑھا حضرت خلیفہ نے فرمایا کہ میں نے صحیح نسخوں میں لفظ "وجود" ہی دیکھا ہے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا، جی ہاں! میں نے بھی ایک صحیح نسخہ دیکھا ہے جس میں لفظ "شہود" ہے۔ حضرت خلیفہ اس وقت مشغول زیادہ تھے۔ اس لئے اس روز بات یہیں ختم ہو گئی۔ دوسرے روز شاہ صاحب پھر ان کے پاس گئے تو انھوں نے پوچھا اگر لفظ "شہود" مانا جائے تو شعر کے کیا معنی ہوں گے۔ شاہ صاحب نے عرض کیا کہ:

ہر کسے را کہ اول شہود حضرت حق در ذرات عالم پیدا شد لامحالہ پیش ہر ذرہ بسجود خواہد کرد۔ (انفاس ص ۲۰)	جس کو ہر ذرہ میں اللہ تعالیٰ کا شہود ہو جائے گا وہ یقیناً ہر ذرہ کے سامنے سجدہ کرے گا۔

اور کہا کہ اگر "وجود" کا لفظ رکھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عبد و معبود دونوں بالکل مجتمع اور متحد ہو گئے، تو پھر سجدہ کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سنکر مرشد نے فرمایا کہ صحیح نسخوں میں لفظ "وجود" ہے۔ اس کی کیا تاویل ہو گی شاہ صاحب نے عرض کیا کہ اگر وجود کا لفظ صحیح ہے تو "وجود" کے معنی وجدان کے ہوں گے، جو "شہود" کا ہم معنی ہے یعنی جس کو خدا کا وجدان ہو جائے گا۔ وہ ذرہ ذرہ میں اس کا جلوہ دیکھے گا اور اس کے سامنے سر بسجود ہو گا حضرت خلیفہ اس نکتہ آفرینی سے بہت خوش ہوئے اور اس کے بعد سے ان کو بہت عزیز رکھنے لگے۔

شاہ صاحب نے انفاس العارفین اور مکتوبات و ملفوظات میں سیکڑوں

ہندی و فارسی اشعار استعمال کئے ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کتنے اشعار شاہ صاحب کے ہیں، صرف دو فارسی رباعیوں اور ایک ہندی شعر جس میں رحیم تخلص ہے یہ ہے:

جب جیو نہ تھا تب پیو نہ تھا اب پیو ہے جیو ناتھ
رحیم پیا سوں یوں ملی جوں بوند سمند رہا تھ[1]

ایک روز نماز ظہر کے بعد شاہ صاحب نے فی البدیہہ یہ رباعی کہی۔

گر تو راہی حق بہ خواہی اے پسر | خاطر کس را مرنجاں الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است | ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

اور شاہ ولی اللہ صاحب سے فرمایا اس کو لکھ لو، میرے دل پر القا ہوا ہے کہ میں تمھیں یہ وصیت کر جاؤں۔

یہ فارسی رباعی بھی ان ہی کی ہے۔

اے کہ نعمہائے تو از حد فزوں | شکر نعمت ہائے تو از حد فزوں
عجز از شکر تو باشد شکر ما | گر بود فضل تو مارا رہنموں

تصنیف شاہ صاحب کی اولاد و احفاد، خلفاء و تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ان کی بے بہا اور نہ مٹنے والی یادگار ہے اور

---

[1] اس شعر سے انکے مسلک وحدۃ الوجود پر روشنی پڑتی ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب ہمارا وجود نہ تھا، تو ہمارا کوئی معشوق بھی نہ تھا لیکن اب معشوق تو ہے مگر وجود باقی نہیں رہا۔ اسکی مثال ایسی ہے جس طرح پانی سمندر میں مل کر فنا ہو جاتا ہے، اسی طرح میں بھی خدا کی ذات میں اس درجہ مستغرق ہوں کہ کوئی الگ چیز رہ ہی نہیں گیا ہوں یعنی میرے وجود پر اب اسی کا قبضہ ہے، میرا وجود خود میرے قبضے میں نہیں ہے۔

اور جن کے ذریعہ انشاء اللہ ان کا روحانی فیض قیامت تک جاری رہے گا لیکن ان مادی یادگاروں کے علاوہ کچھ ان کی قلمی یادگاریں بھی ہیں، جو گو کمیت کے لحاظ سے کچھ زیادہ نہیں، مگر کیفیت اور افادیت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور قابل قدر ہیں۔

شاہ صاحب میں بچپن ہی سے تصنیف و تالیف کا ذوق پیدا ہو چکا تھا، مگر ان کے روحانی ذوق و استغراق نے اسے زیادہ ابھرنے نہیں دیا، خود ان کے مرشد خواجہ خرد ان سے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ:

ہمیں وصیت می فرمودند کہ خود را از درس و تدریس و مطالعہ کتب و حکایات غیر ضروری یکسو دارد و خود را بالکلیہ باں نسبت (روحانی) گمارد (انفاس ۷۴)

وہ ہمیشہ یہی وصیت فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کو درس و تدریس اور مطالعہ کتب اور غیر ضروری چیزوں سے علیحدہ رکھ کر نسبت روحانی سے اپنے کو وابستہ رکھو۔

لیکن پھر بھی اس فطری ذوق کا کچھ نہ کچھ ظہور ہو کے ہی رہا۔

خیالی پر حاشیہ لکھنے کا خیال

زمانہ طالب علمی میں میر زاہد کے حواشی کی ترتیب و تسوید میں شاہ صاحب کی شرکت کا ذکر آچکا ہے۔ ان کی طالب علمی ہی کا ایک دوسرا واقعہ بھی ہے۔

ایک بزرگ نے آپ کو اسم ذات کے تصور کے دوام کی یہ تدبیر بتائی کہ تم کاغذ یا تختہ پر جس قدر ہو سکے اس کو لکھتے جاؤ، کچھ روز کے بعد خود بخود ذہن میں اس کا تصور بیٹھ جائے گا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے یہ عمل شروع کر دیا۔ اس خامہ فرسائی سے ان کے ذوق تصنیف کو بھی تحریک ہوئی اور ان کو ملا عبد الحکیم کے حاشیہ خیالی پر جس کے وہ طالب علم تھے ایک دوسرا

حاشیہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا، اور اس کو لکھا بھی، مگر وہ خیالی کا حاشیہ کیا لکھتے، ان کے لوح دل پر اسم ذات کا نقش ایسا جم چکا تھا کہ وہی صفحہ قرطاس پر ابھرنے لگا۔ اس غلبہ میں وہ پندرہ سولہ صفحات اسم ذات سے سیاہ کر گئے۔ اور ان کو اس کا احساس بھی نہ ہوا کہ وہ حاشیہ لکھ رہے تھے یا کاغذ پر نقطہ ہائے دل نمایاں ہو رہے تھے۔ خود فرماتے ہیں۔

خواستم کہ حاشیۂ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی بنویسم یک جزء کم وبیش اسم ذات می نوشتم وشعور نداشتم (انفاس ص ۵)

میں نے ارادہ کیا کہ خیالی پر حاشیہ لکھوں مگر بے ارادہ کم وبیش ایک جزء اسم ذات پر لکھ ڈالا اور مجھے احساس بھی نہ ہوا۔

شاہ صاحب کے استغراق روحانی کی وجہ سے گویا یہ کام تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، مگر اس واقعہ سے ان کے تصنیفی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

تصوف کے ایک ادبی رسالہ کا ترجمہ

شیخ تاج سنبھلی[1] نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے طریقہ ارشاد و تصوف پر سلف کی عبارت سے اخذ کر کے عربی میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ شاہ صاحب نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ جو ان کے خاندان میں بہت دنوں تک متداول رہا۔

مکتوبات

صوفیہ کے مکتوبات اور ملفوظات میں تعلیمات کا بڑا خزانہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ جو باتیں ہزاروں صفحات کے مطالعہ سے نہیں

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب ان کے متعلق لکھتے ہیں: اول خلفاء حضرت خواجہ (باقی باللہ) بودند ودر آخر بمکہ معظمہ اقامت اختیار کردہ بجال جاں مدفون شدند واین فقیر از متاخران مشائخ اہل ہند ہیچ کس را ندید کہ اہل مکہ زیادہ از شیخ تاج معتقد باشند

معلوم ہوتی ہیں۔ وہ ان کے دو ایک جملوں میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ گو ظاہری ترتیب وتبویب کے لحاظ سے انہیں تصنیف نہیں کہا جا سکتا۔ مگر افادیت کے لحاظ سے اس کا درجہ کسی مستقل کتاب سے کم نہیں ہوتا۔

شاہ عبدالرحیم صاحب نے بھی کچھ خطوط اپنے متوسلین وتلامذہ کو لکھے تھے۔ جس کو ان کے چھوٹے صاحبزادے شاہ اہل اللہ صاحب نے "انفاس رحیمیہ" کے نام سے جمع کر دیا ہے، گو اس کی ضخامت ۳۵۔ ۴۰ صفحات سے زیادہ نہیں ہے، مگر اس عجالہ نافعہ میں جو اخلاقی جواہر ریزے بکھرے ہوئے ہیں، وہ سیکڑوں ضخیم کتابوں سے قیمتی ہیں۔

شاہ صاحب کے ایک دوسرے "مجموعہ مکتوبات" کا ذکر حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ جس کا قلمی نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں ان کی نظر سے گزرا تھا[1] معلوم نہیں اس کو کس نے جمع کیا۔ اور وہ "انفاس رحیمیہ" سے کتنا مختلف ہے۔ اگر کبھی اس تک رسائی ہوئی تو انشاء اللہ اس پر کچھ لکھا جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیری

فتاویٰ کی تالیف[2] میں ملا حامد کے معاون کی حیثیت سے شاہ صاحب بھی شریک تھے گو بعض اسباب کی بنا پر وہ زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکے، پھر بھی جتنے دنوں رہے بڑے مفید اور قیمتی اضافے کئے، ذیل میں ان کی شرکت کا پورا واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

---

[1] مقدمہ سیرت سید احمد شہیدؒ [2] فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں ان کی شرکت کا مختصر ذکر اوپر آ چکا ہے اب اس کی مزید تفصیل کی جاتی ہے۔

فتاویٰ کی تدوین کا کچھ کام ملا حامد کے سپرد تھا۔ ملا حامد مرزا زاہد کے درس میں شاہ صاحب کے ہم سبق رہ چکے تھے، اس تعلق کی بنا پر از راہ ہمدردی انھوں نے شاہ صاحب سے اس میں شرکت کے لئے لکھا اور کچھ مالی معاوضہ کی بھی امید دلائی۔ شاہ صاحب شاہی ملازمت پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انھوں نے انکار کر دیا۔ ان کی بیوہ والدہ کو اس کی خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئیں، اور باصرار اس خدمت کے قبول کر لینے پر مجبور کیا، ناچار شاہ صاحب نے اس میں شرکت کر لی لیکن جب شاہی ملازمت کی خبر ان کے مرشد حضرت خلیفہ ابوالقاسم کو ہوئی تو انہوں نے ناپسندیدگی ظاہر کی اور ترک ملازمت کا مشورہ دیا شاہ صاحب نے والدہ کی ناخوشی کا عذر کیا، لیکن مرشد نے فرمایا:

اذا جاء حق اللہ ذھب حق العباد	جب خدا کا حق آگیا تو بندہ کا حق باقی نہیں رہا۔

شاہ صاحب نے مرشد سے پھر عرض کیا، کہ آپ دعا فرمائیں کہ ملازمت خود بخود چھوٹ جائے تاکہ والدہ کی ناراضگی کا سوال نہ پیدا ہونے پائے، مرشد نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا، اور دعا فرمائی۔

عالمگیر کے سامنے کارکنوں کے عزل و نصب کی فہرست ہمیشہ پیش ہوتی رہتی تھی۔ اب کی بار جو فہرست پیش ہوئی تو اس نے شاہ صاحب کے نام پر قلم پھیر دیا، اور ان کے یہاں یہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ چاہیں تو اس کے بجائے کچھ زمین دے دی جائے۔ لیکن دربار شاہی سے قطع تعلق ہی کے لئے دعا کرائی گئی تھی۔ اس لئے اس پیش کش کے قبول کرنے کا کیا سوال تھا خود فرماتے ہیں کہ:

قبول نکردم و شکرانہ بجا آوردم وحمد خدائے تعالیٰ گفتم۔ (انفاس ص۲۲) میں نے قبول نہیں کیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

شاہ صاحب کی معزولی کا اصل سبب تو ان کے مرشد کی دعا ہی تھی، لیکن اس دعا کی قبولیت کے لئے کسی سبب ظاہر کی بھی ضرورت تھی، شاہ صاحب نے وہ ظاہری سبب یہ بتایا ہے

اوپر ذکر آچکا ہے کہ شاہ صاحب جس حصہ کی نظر ثانی کر رہے تھے، اس میں کوئی عبارت پیچیدہ تھی، اس پر انھوں نے حاشیہ بڑھا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ملا نظام کو بادشاہ کے سامنے خفت اٹھانی پڑی تھی۔ چونکہ یہ حصہ ملا حامد کے سپرد تھا، اس لئے ملا نظام نے ان سے باز پرس کی اور ان پر برہم ہوئے۔ ملا حامد تو اس وقت کچھ نہیں بولے، مگر ملا نظام کے جانے کے بعد شاہ صاحب سے اظہار ملال کیا۔ شاہ صاحب نے کتاب کے ماخذ کی طرف رجوع کیا، اور مسئلہ کی پیچیدگی ان پر واضح کی، وہ بظاہر مطمئن ہو گئے، مگر ان کے دل میں ان کی طرف سے غبار باقی رہا، شاہ صاحب فرماتے ہیں :

ازاں بعد اکثر آں قوم بر من حسد بردند وبظاہر سبب ایں عزل حسد ایشاں بود (انفاس ص۲۴) اسکے بعد یہ لوگ میرے اوپر حسد کرنے لگے اور ظاہری طور پر یہی حسد میری علیحدگی کا سبب ہوا۔

اکثر آں قوم سے غالباً وہ تمام لوگ مراد ہیں جنہیں شاہ صاحب سے علمی چشمک تھی، اور انھوں نے اپنی دانست میں شاہی ملازمت چھڑوا کر ان کو نقصان عظیم پہنچایا تھا۔

مسلک شاہ صاحب ہر چیز میں اعتدال اور توسط کو پسند کرتے تھے

اور مختلف مسائل میں فریق بن کر اختلاف کو بڑھانے کی بجائے ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت تک علماء میں جو مسائل شرعی ہوں، خواہ ذوقی پیدا ہو چکے تھے۔ ان سب میں ان کا مسلک زیادہ تر "خذ ما صفا ودع ما کدر" کا تھا۔ شاہ صاحب صوفی تھے۔ مگر تصوف میں بھی ان کی راہ تقشف وتقید کے درمیان تھی۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

در ہر امر توسط دوست می داشتند نہ چنداں در تنسک وتعمق فرو رفتہ بودند کہ بہ رہبانیت کشد ونہ چنداں ترک تقید باداب مترسل بودند کہ تہاون میل کند (ص ۸۵)

ہر معاملہ میں والد صاحب اعتدال اور توسط کو پسند کرتے تھے نہ تو تقشف اختیار کرتے تھے کہ رہبانیت تک پہنچ جائے اور نہ اتنی آزادی اختیار کرتے کہ امور شرعی میں کوتاہی ہونے لگے۔

اس طرح تصوف یا فقہ کے جتنے طریقے ہیں، ان میں کسی طریقہ کو اس حد تک بڑھنے بڑھانے یا ترجیح دینے کو جس سے دوسرے کی تنقیص ہونے لگے بہت ناپسند کرتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

بار بار از فحوائے کلام حضرت ایشان معلوم شد کہ تفضیل صاحب طریق دیگر لاسیما بر وجہے کہ بمنقصت مفضول مفضی باشد مکروہ می داشتند۔ (انفاس)

بار بار ان کی باتوں سے یہ پتہ چلتا تھا کہ کسی خاص طریقہ کی ایسی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے طریقہ کی تنقیص ہوتی ہو اسے ناپسند کرتے تھے۔

وحدت الوجود

صوفیہ میں وحدۃ الوجود کا مسئلہ ہمیشہ ایک معرکۃ الآرا مسئلہ رہا ہے لیکن شیخ ابن عربی سے پہلے یہ مسئلہ خالص ذوقی اور وجدانی تھا، اس کی کوئی علمی یا شرعی حیثیت نہیں تھی حضرت شیخ محی الدین ابن عربی پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس کو علمی اور نیم شرعی حیثیت

دی۔ ان کے بعد سے عام صوفیہ نے ان ہی کی تقلید کی۔ اور یہ تقلید کی رسم ایسی عام ہوئی کہ ہر صوفی (ان میں مستثنیات بھی ہیں) خواہ اس کے ذوق و کیف سے آشنا ہو یا نہ ہو۔ وہ اپنے کو لذت آشنا ظاہر کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ اور بغیر اس کے اپنے کو ہلکا محسوس کرتا تھا۔ شیخ کے اس عقیدہ پر سب سے پہلے امام ابن تیمیہؒ نے اور ان کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تنقید کی۔

امام ابن تیمیہ نے قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں وحدت وجود کا ابطال کیا اور مجدد الف ثانی نے جو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ بادۂ معرفت کے بھی لذت شناس تھے۔ اس کی تردید بھی کی اور اصلاح بھی۔ اور ان کی "ہمہ اوست" کی تعبیر کو "ہمہ از وست" اور "وحدت الوجود" کو "وحدت شہود" اور "عینیت" کو "دالیت" و "مدلولیت" سے بدل دیا جس سے ہر مسئلہ کی اصل صورت سامنے آگئی اور عوام کی گمراہی کے تمام منافذ بھی بند ہو گئے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کے زمانہ میں بھی یہ مسئلہ عام طور پر صوفیہ کا مرکز نظر بنا ہوا تھا۔ خود شاہ صاحب کے خاندان میں کئی ایسے بزرگ گزر چکے[1] تھے اور بعض موجود بھی[2] تھے جو وحدت الوجود کے قائل تھے۔ اس لئے ان پر بھی اس ماحول اور خاندان کا اثر تھا۔ وہ شیخ ابن عربی کے فلسفۂ وجود اور ان کی کتابوں کی طرف کافی حد تک مائل تھے۔ ابن عربی کی کتابوں سے ان کو اس قدر شغف تھا کہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] مثلاً عبدالعزیز شکر بار اور شیخ رفیع الدین وغیرہ جو ان کے نانا اور پرنانا ہوتے تھے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے

[2] مثلاً انکے بڑے بھائی شیخ ابو الرضا محمد جنکی صحبت میں انکی ظاہری و باطنی تعلیم ہوئی۔

اگر خواہم فصوص را بر سر منبر تقریر کنم و جمیع مسائل آن را بآیات و حدیث مبرہن سازم و بوجہے بیان نمایم کہ ہیچ کس را شبہ نماند (انفاس ص ۸۲)

اگر میں فصوص الحکم پر برسر ممبر تقریر کروں اور قرآن وحدیث سے اس کے مسائل کو مدلل کروں تو اس پر تو کسی کو کوئی شبہہ باقی نہ رہے گا۔

لیکن ان کے مرشدین کے جذبۂ اتباع[1] شریعت اور مجدد صاحب کے سلسلہ سے وابستگی نے انھیں اس مسئلہ میں بھی جادۂ اعتدال سے بہت کم ہٹنے دیا۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ وہ اس کو ذوقی اور وجدانی چیز سمجھ کر عام طور پر اس کی تشریح سے گریز کرتے تھے کہ مبادا عام لوگ ذوق وشوق کی باتوں کو نہ سمجھ سکیں اور ورطۂ ضلالت میں پڑ جائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

از تصریح وحدت وجود احتراز می نمو دند کہ غالب اہل زبان آں را فہم نمی توانند کرد، و در ورطۂ الحاد و زندقہ می افتند۔ (انفاس ص ۸۲)

وحدت وجود کی تشریح سے اس لئے احتراز فرماتے تھے کہ لوگ اس کو سمجھ نہ سکیں گے اور بلا وجہ شبہات میں مبتلا ہو کر گمراہی کے گڑھے میں گر جائیں گے۔

پھر بھی دل کا پیمانہ جس شراب سے لبریز تھا وہ کب تک اثر نہ دکھاتا۔ چنانچہ کبھی کبھی ان کی زبان سے ایسے فقرے نکل جاتے تھے جن سے اندرونی میلان کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

---

[1] ان کے مرشد سید عبد اللہ اور خلیفہ ابو القاسم دونوں اتباع شریعت پر بہت زور دیتے تھے۔ سید عبد اللہ حضرت آدم بنوری کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ اور حضرت بنوری حضرت مجدد صاحب کے اجل خلفاء میں تھے۔ اس لئے مجدد صاحب کے روحانی فیض سے وہ خالی نہیں تھے۔

کفر شریعت دو معبود پنداشتن و کفر حقیقت دو معبود دانستن (ص ۲۲)

شرعی کفر دو معبود ماننا ہے اور حقیقت میں دو معبود جاننا ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں اس کو یوں لکھتے ہیں۔

معبود گفتن کفر شریعت و دو معبود دیدن کفر حقیقت (ص ۲۱)

دو معبود کہنا کفر ہے، دو معبود دیکھنا کفر حقیقت ہے

تعلق حادث بالقدیم کی علمی انداز میں یوں توجیہ کرتے ہیں۔

صور علمیہ کہ آں را ملاحظہ می نمایم تحقق و تقرر در خارج ندارند محض بقوۃ علیہ باتحقق اند وآں ہمہ علم ماست کہ بچندیں رنگ برآمد شبہ نیست کہ ایں صور را عین علم تواں گفت زیراکہ علم بود وایں صور نمود ند و منفصل از علم نیز نتواں گفت زیراکہ ایں تلونات را قیوم ومنشا بود۔ (انفاس ص ۸۲)

وہ صور علمیہ جسے ہم ملاحظہ کرتے ہیں خارج میں ان کا کوئی تحقق نہیں ہوتا محض بالقوۃ موجود ہوتی ہیں یہ سب ہمارا علم جو اس رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان کو عین علم نہیں کہا جاسکتا، اسلئے کہ علم تو موجود رہے گا اور اس کی صورتیں نہ رنگی

مسئلہ صفات کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

صفات عین ذات اند بمعنی آنکہ ذات فقط درصدور آثار از صفات زائدہ قائمہ بذات کفایت می کند (انفاس ۸۳)

صفات الٰہی اس معنی میں عین ذات ہیں کہ ذات سے جو صفات زائد کا صدور ہوتا ہے وہ سب اسی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔

قرآن کی اس آیت اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ وَھُوَ مَعَکُمۡ (تم جہاں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے) کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ایں معیت محض بعلم نیست بلکہ در تحقق و تقرر نیز دریں جا خدشہ نمی آید زیراکہ ایں معیت

یہ معیت محض علمی نہیں ہے بلکہ حقیقی ہے اس سے یہ شبہہ نہ ہو کہ یہ جوہر کا جوہر سے یا

جوہر بجوہر یا عرض بعرض با جوہر بعرض نیست معنی است لطف ازیں معیات

عرض کا عرض سے تعلق ہے بلکہ معنی ہے کہ تمام معیات کا لطف اسے حاصل ہے۔

(انفاس ص ۸۲)

اس مسئلہ معیت کی ایک دوسری لطیف توجیہ کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اس قسم کے تمام مسائل کو ذوقی اور وجدانی سمجھتے تھے، جن میں ہر شخص اپنی روحانی استعداد اور قوت مشاہدہ کے مطابق مختلف توجیہیں کرسکتا ہے، مگر کسی کے ذوقِ وجدان اور قوتِ مشاہدہ کے فیصلہ کو دوسرے کے ماننے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ فرماتے ہیں۔

ہر کسے بحسب استعداد خود از مسئلہ معیت حظے گرفتہ است طائفہ دانستہ اند کہ حق سبحانہ بعلم وقدرت وسمع وبصر محیط است قال اللہ تعالیٰ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ الآیۃ وطائفہ معاینہ کردہ کہ ہر فعلے و انفعالے وحرکتے وصفتے کہ در عالم ظاہر است از حضرت حق است قال اللہ تعالیٰ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وطائفہ شاہدہ کردہ کہ ہرچہ ہست اوست وغیر او چیزے نیست قال اللہ تعالیٰ کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ وقال ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاہِرُ وَالْبَاطِنُ وطائفہ حق را در

معیت الٰہیہ کے مسئلہ میں ہر شخص اپنی استعداد کے لحاظ سے رائے رکھتا ہے ایک گروہ نے یہ سمجھا کہ اللہ اپنی قدرت اور اپنے علم اور سمع و بصر کے لحاظ سے سارے عالم پر محیط ہے جیسا کہ آیت مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ سے معلوم ہوتا ہے ایک نے یہ مشاہدہ کیا کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہور پذیر ہوتا ہے جیسا کہ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ الخ سے ظاہر ہوتا ہے اور ایک گروہ کے مشاہدہ میں یہ بات آئی کہ اس عالم میں جو کچھ ہے وہ صرف اللہ کی ذات ہی ہے جیسا کہ کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ، اور ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاہِرُ وَالْبَاطِنُ سے ظاہر ہوتا ہے،

حق دیدند و عبارت از نکتہ ایں مقام قاصراست (انفاس ۸۲)

اور ایک گروہ حق کو حق کے اندر دیکھتا ہے اس نکتہ کے اظہار سے قلم قاصر ہے۔

عمل بالحدیث

شاہ صاحب فقہ میں حنفی مسلک رکھتے تھے مگر اس وقت کے عام فقہار کی طرح جامد اور انتہا پسند نہیں تھے بلکہ احادیث نبویہ و آثار کا تتبع بھی کرتے تھے، اور جس مسئلہ میں جو مسلک حدیث کی روشنی میں انھیں صحیح معلوم ہوتا تھا، اسے اختیار کر لیتے تھے خواہ وہ حنفی مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ عام فرض نمازوں میں امام کے پیچھے اور نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

مخفی نماند کہ حضرت ایشاں در اکثر امور موافق مذہب حنفی عمل می کردند الا بعض چیزہا کہ بحسب حدیث یا وجدان بمذہب دیگر ترجیح یافتند از انجملہ آنست کہ در اقتدار سورۂ فاتحہ می خواندند و در جنازہ نیز۔ (انفاس ص)

یہ بات چھپی نہیں تھی والد صاحب اکثر مسائل میں مذہب حنفی کے موافق عمل کرتے تھے مگر حدیث نبوی اور اپنے وجدان کے مطابق بعض امور میں دوسرے مسلک کو بھی ترجیح دیتے تھے مثلاً وہ امام کے پیچھے اور نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ شیخ عبدالاحد نے قرأۃ خلف امام کے بارے میں شاہ صاحب سے بحث کی اور اس کی نفی میں یہ عقلی دلیل پیش کی کہ جب چند آدمی بادشاہ کے دربار میں کوئی غرض لے کر جاتے ہیں، تو اسے پیش کرنے کی خدمت ایک شخص کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی عرضداشت الگ الگ پیش نہیں کرتا[1] شاہ صاحب نے جواب میں فرمایا کہ اس پر نماز کا قیاس صحیح

[1] اصلاً امام ابوحنیفہ کا مسلک قرأۃ خلف امام میں قیاسی نہیں ہے۔ (بقیہ ص ۸۶ پر)

نہیں ہے، کیونکہ :

اصل در صلوٰۃ مناجات وتہذیب نفس است بدعا وخضوع چنانکہ حدیث لاصلوٰۃ لمن لایقرأ بام الکتاب دلالت می کند۔	نماز میں اپنی حاجات پیش کرنا اور اپنے نفس کا سدھار مقصود ہے جیسا کہ لاصلوٰۃ لمن لا یقرأ بام الکتاب آیا ہے جو انفرادی فعل ہے۔

اس کے بعد فرمایا خدا تعالیٰ ایسا سمیع (سننے والا) ہے کہ اگر ساری دنیا کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر اپنی اپنی مختلف عرضداشتیں اپنی اپنی زبان میں بیک وقت پیش کرنا شروع کر دیں تو بھی ایک ساتھ ہر شخص کی گزارش سن سکتا ہے۔ اس سے کسی دوسرے کی گزارش میں کوئی خلل نہیں پڑے گا۔

اس کے بعد ان سے فرمایا کہ اس زمانہ میں تو امام اپنی زبان سے لفظ اَلْحَمْدُ کہتا ہے، مگر اس کی حقیقت اور نماز کی روح سے بالکل غافل ہوتا ہے، لیکن آپ امام کے تشویش ذہن سے احتراز نہیں کرتے مگر دربارِ الٰہی میں چند آدمیوں کے ساتھ مناجات کرنے کو باعث تشویش سمجھتے ہیں۔

اسی طرح نماز سفر میں کبھی کبھی رخصت پر بھی عمل کر لیا کرتے تھے۔ اور قصر کے بجائے پوری نماز پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

در سفرے از اسفار در وقتے از اوقات صلوٰۃ بخاطرم رسید کہ قصر صلوٰۃ رخصت است گاہے باتمام ہم عمل باید کرد	ایک سفر میں دل میں یہ خیال آیا کہ سفر میں قصر رخصت ہے تو کبھی اس میں اتمام پر بھی عمل کرنا چاہئے۔

(بقیہ حاشیہ)

بلکہ قرآن کی آیت اور وہ حدیثیں ہیں جن میں امام کی قرأۃ کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا ہے اور وہ حدیث جس میں قرأۃ الامام اور قرأۃ لہ آیا ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحہ پر بھی اس سے عمل ہو جاتا ہے قرآن کی آیت اور ان احادیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے جن میں انصات کا حکم آیا ہے۔

توسل

اس مسئلہ میں بھی متصوفین نے بہت سی بدعتیں پیدا کر دی ہیں جس سے عام مسلمان زندگی کے مشکلات و مصائب میں بارگاہ خداوندی میں رجوع ہونے کے بجائے مختلف چوکھٹوں پر سر نیاز خم کرنے لگ گئے ہیں اور ان کو وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ پر عملاً بالکل یقین نہیں رہ گیا ہے۔

اس مسئلہ وسیلہ کی خامیوں پر سب سے پہلے غالباً امام ابن تیمیہ نے قلم اٹھایا، اور اس کو شریعت کی روشنی میں منقح کیا۔ ان کے مسلک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وسیلہ پکڑنا صحیح نہیں تھا۔ لیکن بعض دیگر ائمہ کی طرح شاہ عبدالرحیم صاحب نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسیلہ کو جائز رکھا ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے وسیلہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

وہرچہ مشکل افتد مدد از روحانیت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم باید خواست و از غیر حبیب خدا کسے دیگر رجوع نباید کرد۔ (مکتوبات ص ۴۸)	جو مشکل بھی پیش آئے اس میں حضور صلی اللہ علیہ کی روح مبارکہ سے تو درخواست کرنا جائز ہے مگر آپ کے علاوہ کسی سے اسکی موت کے بعد درخواست کرنا جائز نہیں۔

اخلاق وعادات

شاہ صاحب اخلاق وعادات میں اسلاف کی یادگار تھے۔ مزاج میں سادگی اور طبیعت میں

صفائی اور بے تکلفی تھی نشست و برخاست، گفتگو و ملاقات، تعزیت و تہنیت، لین دین، خرید و فروخت، تواضع و خاکساری، امداد و اعانت غرض اپنی زندگی کے ہر کام میں وہ نمونۂ عمل تھے، اور ان کا کوئی کام حکمت و ادائے سنت، یا خدمت خلق کے جذبہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔

کار عاقلاں و حکیماں آنست کہ استیفائے لذت فقط مقصود نباشد بلکہ باید کہ آں درضمن دفع حاجتے یا اقامت فضیلتے یا ادائے سنت واقع شود۔ (انفاس ۸۵)	عقلمندوں اور حکمت رکھنے والوں کا کام یہ ہے کہ فقط لذت کیلئے کوئی کام نہ کریں بلکہ اس کے ذریعہ کسی اچھے کام یا ادائے سنت یا خدمت خلق کا جذبہ اس میں ہو۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

کسی شخص کو سنت یا تعامل کے خلاف کوئی کام کرتے دیکھتے تھے تو بڑی نرمی اور شفقت سے منع کرتے تھے۔ انفاس میں ہے۔

اگر نصیحت می خواستند نہایت رفق و لین ادا می نمودند۔ (ص ۸۵)	اگر کسی کو نصیحت کرتے بڑی نرمی سے کرتے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کی نصیحت لوگوں پر بہت جلد اثر انداز ہو جاتی تھی۔

آپ کے ایک ملنے والے کو جو علم و فضل سے بھی بہرور تھے، فضول گوئی کی عادت تھی، شاہ صاحب نے ایک دن ان سے بڑی شفقت سے فرمایا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق چاہتے ہو تو اس عادت کو ترک کر دو۔ ورنہ اس دربار سے فیض نہیں پہنچ سکتا، آپ کی یہ بات ان کے دل میں گھر کر گئی اور انہوں نے وہ عادت چھوڑ دی۔

اگر کسی کو نیک بات کی تلقین کرتے تو اس میں ملائمت کے ساتھ ساتھ مخاطب کی صلاحیت کو بھی ملحوظ رکھتے تھے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر و مسائل خصوصہ بشرط ظن قبول برفق می کردند ۔ (ص ۸۵)

عام فائدہ کے لئے جمعہ کے دن وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ اس میں احباب بھی شرکت کرتے تھے[۱] زیادہ تر مشکوٰۃ تنبیہ الغافلین، غنیۃ الطالبین اور آخر میں تفسیری وعظ کا معمول تھا[۲]

آپ کے احباب ملنے آتے، تو رخصت کرتے وقت ان کے سامنے یہ شعر بطور وصیت پڑھا کرتے تھے۔

آسایش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
بادوستاں تلطف ۔ بادشمناں مدارا

خانہ داری کی ضروری خرید و فروخت خود کرتے باوجود تنگی کے زندگی بھر کبھی قرض نہیں لیا۔ اور تعیش و تنعم کے لئے جو لوگ قرض لیتے تھے، ان کو بے حد ناپسند کرتے تھے، اور اس سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے[۳] کھانے پینے میں مشتبہات سے بھی گریز کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رمضان میں ان کے استاذ مرزا زاہد نے ان کی دعوت کی۔ اتفاق سے اس وقت ایک کبابی آیا۔ اسے مرزا صاحب سے کچھ کام تھا۔ جس کے لئے اس نے کباب کا ایک خوان بطور نذر کے پیش کیا۔ مرزا صاحب قبول نہیں کرتے تھے لیکن جب اس نے بہت اصرار کیا تو ایک شاگرد سے کہا کہ قیمت لگا کر اسے رکھ لو۔ شاگرد

---

[۱] انفاس ص ۵۰ [۲] ایضاً ص ۲۹ [۳] ایضاً ص ۸۶

نے کئی روپے کے کبابوں کی قیمت کم لگائی اور کبابی راضی ہوگیا۔ شاہ صاحب نے مرزا صاحب سے آہستہ سے کہا کہ آپ رشوت سے بچنا چاہتے ہیں مگر کئی روپے کے کباب میں کم دینا علت سے خالی نہیں ہے۔ اگر غرض نہ ہوتی تو وہ کبھی راضی نہ ہوتا۔ شاہ صاحب کے اس کہنے سے مرزا صاحب نے شاگرد کو بلوا کر ڈانٹا، اور کبابوں کی پوری قیمت دلوائی[1] اس کے بعد ان کبابوں سے افطار کیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کے اخلاق و عادات کے متعلق جستہ جستہ بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک جگہ جامع طور پر لکھتے ہیں۔

حضرت ایشاں با اخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت و فراست و کفایت و غیرت بدرجۂ اتم متصف بودند عقل معاش شل عقل معاد کامل و وافر داشتند و در ہر امر توسط دوست می داشتند[2]	حضرت والد صاحب اعلیٰ اخلاق مثلاً شجاعت، فراست اور غیرت ایمانی وغیرہ سے متصف تھے عقل معاد کے ساتھ عقل معاش بھی حد درجہ رکھتے تھے ہر معاملہ میں اعتدال و توسط اختیار کرتے تھے۔

دربار شاہی اور امراء سے احتراز

شاہ صاحب امراء اور سلاطین سے ہمیشہ محترز رہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ والد صاحب نے امراء کے پاس جانے اور ان سے ملاقات کرنے کی رسم بالکل اٹھا دی تھی۔ لیکن اگر ان میں سے خود کوئی آجاتا تھا، تو اس سے وہ کج خلقی بھی نہیں برتتے تھے، بلکہ اعزاز و اکرام سے پیش آتے تھے۔ اور اگر وہ نصیحت کی خواہش کرتے تھے تو نہایت ہی رفق و تلطف سے

---

[1] انفاس ص ۳۲ [2] انفاس ص ۸۵

دو چار کلمہ خیر کہہ دیا کرتے تھے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف کے سلسلہ میں شاہی ملازمت کو کس کشمکش کے بعد قبول کیا تھا۔ اور جب اس سے تعلق منقطع ہوا تو کس قدر مسرور ہوئے، اور شکرانہ ادا کیا، اور اس کے بعد شاہ عالم گیر نے زمین دینی چاہی تو اسے بھی قبول نہیں کیا۔

عالم گیر ہی کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کے ماننے والوں میں ایک صاحب عالم گیر کے درباری تھے! انہوں نے کسی موقع سے ان کے سامنے شاہ صاحب کے فضائل و مناقب کا ذکر کیا۔ عالم گیر نے ان سے اشتیاق ملاقات ظاہر کیا۔ انھوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ:

بخانہ ملوک و اغنیار رفتن طریقۂ ایشاں نیست۔ (انفاس ص ۶۹)	بادشاہوں اور مال داروں کے یہاں وہ نہیں جاتے

عالم گیر نے شاہ صاحب کے ایک دوسرے مخلص کے ذریعہ ملاقات کا پیغام بھیجا، لیکن شاہ صاحب نے اسے بھی قبول نہیں کیا۔ ہرچند انہوں نے اصرار کیا، مگر شاہ صاحب کسی طرح راضی نہ ہوئے مگر جب وہ بالکل مایوس ہو گئے تو شاہ صاحب سے عرض کیا، کم از کم آپ ایک رقعہ ہی بھیج دیجئے تاکہ کوتاہی نہ سمجھی جائے۔ شاہ صاحب نے ایک کاغذ جس میں آپ کا جوتا لپٹا ہوا رکھا تھا، لیا اور اس پر یہ عبارت لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیج دی۔

اجماع اہل دل است کہ آنکہ بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ وحق سُبْحَانَہٗ می فرماید وَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اِلَّا قَلِیْلٌ جز اقل بشمار سید واگر بالفرض بمن خواہید	اللہ والوں کا اجماع ہے کہ بئس الفقیر علیٰ باب الامیر وحق سبحانہ کہتے ہیں کہ وَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اِلَّا قَلِیْلٌ اس قلیل کا تھوڑا سا حصہ آپ لوگوں کو پہنچا ہے اگر بفرض محال

واو جزء لایتجزی خواہد بود برائے ایں جزء لایتجزی نام خود را از دیوان خدائے تعالیٰ چرا بر آرم زیرا کہ در بعض ملفوظات بزرگان چشتیہ مذکور است کہ ہر کہ نام او در دیوان بادشاہ نوشتہ شد، نام او را از دیوان حق سبحانہ بر می آرند[1]

اس میں سے ہم کچھ چاہیں تو یہ جز لایتجزی ہوگا تو اس قلیل جز کے لئے میں اللہ تعالیٰ کے دیوان سے اپنا نام خارج کیوں کراؤں اسلئے کہ بعض مشائخ چشت نے کہا ہے کہ جس نے بادشاہ کے دیوان میں اپنا نام لکھایا اس کا نام دیوان الٰہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

یہ خط اس بادشاہ کو لکھا گیا ہے، جو شاہان تیموریہ میں سب سے زیادہ دیندار اور مذہب کا دلدادہ تھا اور جس کے ذریعہ "فتاویٰ عالم گیری" جیسا دینی اور اہم کام انجام پایا تھا۔ عالم گیر نے اس رقعہ کی یہ قدر دانی کی کہ اسے جیب میں رکھ لیا اور جب کپڑے بدلتا تو پھر اسے دوسرے جوڑے کی جیب میں رکھ لیتا یہاں تک کہ وہ رقعہ گل کر ضائع ہو گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ عالم گیر کے پوتے عظیم الشان نے ملاقات کی خواہش کی اور شاہ صاحب کے پاس لکھ بھیجا کہ "اگر آپ خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تو اس بہانہ سے مجھے بھی شرف نیاز حاصل ہو جاتا"۔

شاہ صاحب نے جواب میں لکھ بھیجا کہ:

ان اللہ لا ینظر الی صورکم واعمالکم وانما ینظر الی قلوبکم ونیاتکم۔ بامثال ایں امور فریفتہ نمی شوم

اللہ صورت اور اعمال کی طرف نہیں دیکھتا اسکی نگاہ قلوب اور نیتوں پر پڑتی ہے۔ میں اس قسم کی چیزوں پر فریفتہ نہیں ہوتا

---

[1] انفاس العارفین ص ۶۹۔ شاہ صاحب کے مکتوبات میں یہ خط کچھ تغیر الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

شاہ صاحب کے زمانہ (۱۰۵۴-۱۱۳۱ھ) میں بڑے بڑے سیاسی انقلابات ہوئے، اور کئی سلاطین بدلے جنہوں نے دعاو برکت کے بہانہ شاہ صاحب کی حمایت و ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی مگرآپ نے ہمیشہ گریز کیا، اور ان معاملات سے بہت کم دلچسپی لی۔

جب معزالدین جہاندار شاہ پر فرخ سیر نے چڑھائی کی تو معزالدین نے دعا فتح کے لئے شاہ صاحب کی خدمت میں آنا چاہا، لیکن آپ نے اپنے درباری احباب کے ذریعہ یہ کہلا کر اسے روک دیا کہ:

"اس کا آنا مناسب نہیں، اس لئے کہ اگر سچ بولوں گا تو وہ ناخوش ہوگا، اگر جھوٹ بولوں تو یہ فقیروں کا شیوہ نہیں ہے"۔

اسی طرح فرخ سیر اور سادات بارہہ میں ان بن ہوئی تو شاہ صاحب کے سامنے بھی یہ جھگڑا پیش ہوا، آپ نے صرف اتنا فرمایا کہ "برائے من ایں راہم چنیں بگزارید" یعنی میری خاطر اس بادشاہ (فرخ سیر) کو اس کے حال میں چھوڑ دو۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کا بیان ہے کہ والد صاحب جب تک زندہ رہے فرخ سیر پر کوئی آنچ نہیں آئی۔ لیکن ان کی وفات کے پچاس ہی دن کے بعد فرخ سیر کی بساط حکومت الٹ دی گئی اور وہ قید کر لیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو شاہ صاحب فرخ سیر کو کسی حد تک پسند کرتے تھے یا اس کے بعد جو فتنہ و فساد شروع ہونے والا تھا، اسے اپنی زندگی میں دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

عبادت اور ذکر و اشغال

ذکر و فکر، طاعت و عبادت، صلاح و تقویٰ کے اعتبار سے شاہ صاحب کی زندگی

نمونہ تھی، انھوں نے فرائض کے علاوہ نوافل و مستحبات میں بھی اپنا جو معمول بنالیا تھا، ان پر ہمیشہ مستقیم رہے، اور عذر شرعی کے علاوہ انھیں کبھی ترک نہیں کیا۔ ان کی زندگی کا اصول تھا کہ "الاستقامۃ خیر من الکرامۃ" (احکام الٰہی پر) استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے انھوں نے شیخ محمد جیو کو ایک خط میں لکھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزیں عطا کی ہیں[۱]۔ تم بھی ان پر قائم رہو۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ الذکر والتقویٰ علیٰ کل حال یعنی ہر حال میں ذکر و تقویٰ پر استقامت، اس لئے آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر و تقویٰ پر استقامت سے خالی نہیں تھا۔ ذیل کے واقعات سے ان کا اندازہ ہو سکے گا۔

ہمیشہ نماز باجماعت پڑھتے تھے، عذر شرعی کے علاوہ کبھی اسے ترک نہیں کیا۔ نماز کی پابندی کا یہ حال تھا کہ جس شب آپ کا انتقال ہوا تو نفس واپسیں سے کچھ دیر پہلے دریافت کیا، صبح صادق ہوئی یا نہیں۔ حاضرین نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا رُخ قبلہ کی طرف کر دو۔ لوگوں نے اس کی تعمیل کی۔ اور آپ نے اشارہ سے نماز ادا کی۔ اسی طرح وفات سے چند

---

[۱] وہ پانچ چیزیں یہ ہیں: الذکرُ والتقویٰ علی کل حال وایصال النفع للخلق من غیر تفرقۃ وعدم تفضیل نفسہ علیٰ احد من الخلق والتواضع لامر اللہ وبخلق اللہ۔

ہر حالت میں ذکر و تقویٰ (مومن و کافر حیوان و انسان کی تفریق کے بغیر مخلوق کی نفع رسانی اور اپنے نفس کو افضل نہ سمجھنا اور خدا کے حکم کے آگے جھکنا اور اس کی مخلوق سے تواضع کے ساتھ پیش آنا۔

مہینے پہلے رمضان کا مہینہ آگیا۔ آپ بتقاضائے عمر اور علالت کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے۔ اور آپ کے لئے شرعی رخصت بھی موجود تھی لیکن آپ نے اس سے فائدہ اٹھانا گوارا نہ کیا اور پورے روزے رکھے۔ آپ کے اہل خانہ نے افطار کے لئے اصرار کیا تو فرمایا کہ "بس یہی تو ہوتا ہے کہ کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو جاتا ہوں، تو یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بے ہوش رہنے کا عادی ہو چکا ہوں[1] شاہ صاحب کے خاص خاص معمولات یہ تھے۔

تہجد، اشراق اور چاشت کا خاص اہتمام تھا، لیکن تہجد میں رکعتوں کی تعیین نہیں تھی۔ بلکہ حضورِ ذہن اور نشاط کے ساتھ جتنی رکعتیں ہو جایا کرتی تھیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ نمازِ مغرب کے بعد نفل والدین اور بڑے بھائی کے ایصال ثواب کے لئے پڑھتے تھے۔

تلاوت قرآن روزانہ کا معمول تھا اور اسے بڑی خوش الحانی، سوز و گداز اور تجوید کے ساتھ پڑھتے تھے۔ دن میں ایک ہزار بار درود شریف اور ایک ہزار نفی اثبات، بارہ ہزار مرتبہ اسم ذات کا ورد کرتے تھے اور گیارہ بار سورۂ مزمل اور گیارہ سو بار یا مغنی غنا ظاہری کے لئے پڑھتے تھے۔ درود سے خاص عشق تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔

ہر چہ یافتم بدولت درود مجرد یافتم[2] "میں نے جو کچھ پایا درود کی برکت سے پایا"۔

حکیمانہ مقولے شاہ صاحب کے ملفوظات اور مکتوبات میں سیکڑوں حکیمانہ جواہر پارے بکھرے ہوئے

---

[1] انفاس العارفین اور انفاس رحیمیہ [2] انفاس ۸۶

ہیں۔ ہم ان میں سے چند جن کا معاملات سے تعلق ہے نقل کرتے ہیں۔

آداب مجلس کے متعلق فرماتے تھے کہ:

در مجلس ہرگز نکوہش قومے مکن مگو کہ اہل پورب چنیں اند و اہل پنجاب چنیں و افغاناں چنیں۔ شاید دراں مبال مردے باشد ازاں قوم یا از اہل حمیت آں قوم بد بردہ صحبت منغض شود۔

عام مجلس میں کسی خاص کو ملامت نہ کرو، یہ نہ کہو کہ اہل پورب ایسے ہیں اور اہل پنجاب ایسے ہیں اور افغان اس طرح کے ہیں ممکن ہے کہ اس قوم کا کوئی آدمی یا کوئی اہل غیرت شخص موجود ہو اور وہ برا مانے اور مجلس میں بے لطفی پیدا ہو۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ:

ہرگز سخنے مخالف جمہور در مجلس عام بزبان میار اگرچہ فی نفسہ صحیح باشد کہ ایشاں برآں انکار کنند و صحبت منغض شود۔

جو بات جمہور کے خلاف ہو، اسے ہرگز مجلس عام میں نہ کہو، اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ لوگ ردوقدح کریں گے اور مجلس میں تکدر پیدا ہو گا۔

فرمایا کہ:

در مجلس عام بر کسے رد صریح مکن۔

مجلس عام میں کسی شخص کی کھلم کھلا تردید نہ کرو۔

فرمایا کہ:

اگر آنانکہ منزلت ایشاں از منزلت تو فروتر است ابتدا بسلام کنند آنرا نعمتی از نعم الٰہی شناس و شکر آں بجا آرد و در روے ایشاں منبسط شود تفقد حال

جو لوگ تم سے کم مرتبہ کے ہیں، وہ اگر پہلے سلام کریں تو اس کو خدا کی نعمت سمجھو اور اس پر اس کا شکر ادا کرو اور ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آؤ، اور ان

ایشاں کن بسامی باشد ادنیٰ التفاتے کہ نزدیک تو ہیچ قدر ندارد در چشم ایشاں عظیم نماید۔

کی مزاج پرسی کرو، اس لئے کہ بسا اوقات ایک ادنیٰ التفات جسکی تمہارے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے، ان کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہوتی ہے۔

واگر آں را نیابند محزوں شوند

اور اگر وہ تمہاری طرف یہ ادنیٰ التفات نہ پائیں گے تو رنجیدہ ہوں گے۔

فرمایا کہ:

اگر ترا باکسے حاجتے باشد برو تمہید شایستہ کن وبتدریج نما در طلب آں حاجت ونباید کہ سخن مثل سنگ اندازی۔

اگر تم کو کسی سے کوئی ضرورت پیش آجائے تو عمدہ پیرائے اور تدریجی طور سے ان کا اظہار کرو۔ یہ نہ ہو کہ بات پتھر کی طرح مارو۔

والدین کی خدمت کے بارے میں فرمایا: لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت آسان ہے اس لئے کہ:

ایشاں بادنیٰ خاطر جوئی رضامند شوند واندکے را بسبب غایت شفقت بسیارے شمرند۔

والدین تھوڑی سی دلجوئی سے بھی راضی ہو جاتے ہیں، اور غلبۂ شفقت کی وجہ سے تھوڑی خدمت کو بھی بہت سمجھتے ہیں۔

در مخاطبہ بزرگان سخن مغلق وموجز وآہستہ گفتن روا نیست

بڑوں سے گفتگو کرنے میں مغلق، مختصر اور آہستہ بات نہیں کرنا چاہئے۔

در سخن گفتن وراہ رفتن ونشستن وبرخاستن برسم اقویا وعادت ایشاں کار کن اگرچہ ضعیف باشی۔

بات چیت کرنے، راستہ چلنے اور نشست وبرخاست میں قوی لوگوں کی عادت اختیار کرو، خواہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

وضع اور لباس کے متعلق فرماتے ہیں :

باید کہ لباس وزی مرد مشعر باشد بصفت کمال وے مثلاً کسے کہ دانش منداست باید لباس دانش منداں پوشد بہ آئین ایشاں زندگانی کندو آنکہ فقیر است باید لباس فقیراں پوشد وبہ آئین ایشاں زندگانی کند	آدمی کا لباس اور اس کی وضع ایسی ہونی چاہئے کہ اس سے اس کے صفت کمال کا پتہ چل جائے مثلاً اگر کوئی فقیہ یا فلسفی ہے تو اس کو انھیں جیسا لباس پہننا چاہئے اور انھیں جیسی زندگی گزارنی چاہیے اگر کوئی درویش ہے تو اسے اہل فقر ہی جیسا لباس اور انھیں جیسا رہن سہن اختیار کرنا چاہئے

اولاد شاہ صاحب کی دو شادیاں ہوئی تھیں پہلی زوجہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کس کی صاحبزادی اور کس خاندان سے تھیں، ان کے بطن سے ایک صاحبزادے صلاح الدین پیدا ہوئے۔ جب شاہ صاحب کا سن ساٹھ برس کا ہوا تو بعض غیبی[1] بشارتوں کی بنا پر انھوں نے دوسری شادی محمد پھلتی[2] کی صاحبزادی سے کی، ان نیک[3] بخت خاتون

---

[1] اس غیبی بشارت کا تذکرہ شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں دو جگہ کیا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں "برایشاں منکشف ساختند تقدیر براں جاری شد کہ ایشاں را فرزند دیگر موجود آید۔ ۔ ۔ ۔ وآں مولود فلاں وفلاں مقام خواہد رسید داعیۂ تزوج بخاطر ایشاں پیدا شد۔" (ص ۶۳)

[2] دوسری جگہ شاہ عبد الرحیم کی زبانی فرماتے ہیں "می فرمودند دیگر بار بزیارت مرقد منور ایشاں (بختیار کاکی) رفتم روح ایشاں ظاہر شد فرمودند ترا پسرے پیدا خواہد شد او را قطب الدین احمد نام کن۔ ۔ ۔ ۔ بعد از زمانے داعیۂ تزوج دیگر پیدا شد۔" (ص ۴۴) (بقیہ ص ۹۸)

کے بطن سے دو صاحبزادے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ؃ پیدا ہوئے اور ہندوستان میں اسلامی علوم و عرفان کے سرچشمہ بنے۔

۷۔ ملا ابوالوعظ برگامیؒ

ملا ابوالوعظ مولانا فضل حق خیرآبادی کے پردادا بھائی تھے' ان کا سلسلہ نسب بارہویں پشت پر شاہ عبدالرحیم صاحب سے مل جاتا ہے اور یہ حسن اتفاق ہے کہ اس خاندان کے یہ دونوں گوہر شب چراغ فتاویٰ کی تالیف میں شریک تھے۔

(بقیہ صفحہ ۹۷ کا)

؃ شیخ محمد کے اجداد سدھور (بہار) کے رہنے والے تھے، ان کے اجداد میں شیخ احمد نے سکندر لودھی کے دربار میں رسوخ حاصل کیا جس سے ان کو پھلت کے قریب کچھ زمین مل گئی، اور وہ سدھور سے پھلت آگئے، یہ خاندان دنیاوی وجاہت کے ساتھ ساتھ علم و فضل میں ممتاز تھا۔ خود شیخ محمد بڑے برگزیدہ اور ممتاز بزرگوں میں تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی اولاد میں ایک رابعہ صفت اور مریم فطرت خاتون تھیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی نسبت توجہ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے بیس عورتوں کو بیک وقت توجہ دی (ص ۶۶) ان کی عبادت و ریاضت کے اور بھی واقعات انفاس العارفین میں ہیں۔

؁ شاہ اہل اللہ بھی علم و فضل اور تصوف میں خاندانی روایات کے حامل تھے انہوں نے شاہ عبدالرحیم صاحب کے مکتوبات کو انفاس رحیمیہ کے نام سے جمع کیا ہے کتاب کے شروع میں چند سطریں انہوں نے بھی اخلاقیات پر لکھی ہیں، جن سے ان کی عظمت اور ولایت کا پتہ چلتا ہے۔

نام ونسب

ابوالوعظ نام یا کنیت تھی، ان کے والد کا نام قاضی صدرالدین تھا، ناتھالی سلسلۂ نسب کا تو علم نہیں ہو سکا، دادیہالی شجرۂ نسب حضرت فاروق اعظم تک منتہی ہوتا ہے، پورا شجرہ یہ ہے:

ابوالوعظ بن قاضی صدرالدین قاضی اسمٰعیل برگامی بن قاضی عمادالدین بدایونی بن شیخ ارزانی بن شیخ منور بن خطیرالملک بن شیخ سالار شام بن شیخ وجیہ الملک بن شیخ بہارالدین بن شیرالملک، شیرالملک کے اوپر ایک دو نام میں اختلاف[۱] کے علاوہ پورا شجرہ وہی ہے، جو شاہ عبدالرحیم صاحب کے حالات میں درج ہو چکا ہے۔ شیرالملک کے دو صاحبزادے شمس الدین اور بہارالدین تھے۔ اور دونوں صاحب علم وفضل اور صاحب وجاہت تھے اور دونوں ساتھ ہی ہندوستان آئے۔

شیخ شمس الدین رہتک کے قاضی ہوئے اور وہیں مقیم ہو گئے اور شیخ بہارالدین بدایوں کے قاضی ہوئے اور وہیں متوطن ہو گئے۔ ان کی اولاد میں شیخ عمادالدین کی شادی قاضی برگام (سیتاپور) کی صاحبزادی سے ہوئی قاضی صاحب سے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ اس لئے ان کے بعد قاضی عمادالدین ہی برگام کے قاضی مقرر ہوئے۔ اور اس سلسلہ سے وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ان کے بعد ان ہی صاحبزادے قاضی صدرالدین یعنی ملا ابوالوعظ کے والد نے ان کی جانشینی کی۔ قاضی صدرالدین کے دو صاحب

---

[۱] باغی ہندوستان میں ملا ابوالوعظ کا جو شجرہ درج ہے، اس میں شیرالملک کے اوپر دو ایک نام شاہ ولی اللہ صاحب کے انفاس العارفین میں دیئے ہوئے شجرہ سے مختلف ہیں۔ [۲] باغی ہندوستان ص ۱۲

زادے اور دو صاحب زادیاں تھیں۔ صاحب زادیوں کی شادی گوپامئو اور لہرپور وغیرہ میں ہوئی تھی۔ صاحب زادوں میں ایک ملا عبد الماجد ہیں جن کی اولاد میں کئی متبحر اور ممتاز عالم گزرے ہیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی بھی ان ہی کی اولاد میں تھے، دوسرے صاحب زادے ملا ابو الوعظ ہیں، جنھوں نے غالباً عہدۂ قضا کے بجائے درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔

ملا ابو الوعظ اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں تھے، اور عالم گیر کے اتالیق بھی رہ چکے تھے۔ مگر عام تذکروں میں ان کے حالات نہیں ملتے۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے والد مولانا فضل امام صاحب (متوفی ۱۲۴۰ھ) نے اپنی کتاب آمد نامہ[۱] میں قصبہ برگام کے علماء کے کچھ حالات لکھے ہیں جس کے کچھ اقتباسات ایک کرم فرما[۲] کے ذریعے مل گئے ہیں، اسی سے ان کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

درس و تدریس

ملا ابو الوعظ کا محبوب مشغلہ درس و تدریس تھا ان کے درس میں دُور دُور سے طلبہ اور علما آکر شریک ہوتے تھے۔ مولانا فضل امام صاحب نے لکھا ہے کہ:

"ملا محب اللہ بہاری صاحب سلم ملا ابو الوعظ سے درس لینے کے لئے گئے تھے مگر ان کا کوئی وقت خالی نہیں تھا، اس

---

[۱] یہ کتاب کچھ فارسی قواعد اور چند علماء کے حالات پر مشتمل ہے، قصبہ برگام میں یہ کتاب قلمی موجود ہے، اسکے کچھ اقتباس سید نجم الحسن صاحب نے بھیجے ہیں یہ حالات انھیں سے ماخوذ ہیں۔

[۲] گو یہ اقتباس برگام سے سید نجم الحسن صاحب نے بھیجا ہے مگر اس کا اصل ذریعہ جناب عبد الشاہد خاں صاحب شروانی مترجم الثورۃ الہندیہ ہیں جنھوں نے اصرار کر کے اسے بھجوایا۔

لئے مایوس ہو کر ملا قطب الدین سہالوی کے پاس گئے اور اس
چشمۂ علم سے اپنی تشنگی بجھائی۔

آمدنامہ میں ایک دوسرا واقعہ ملا قطب الدین سہالوی کا یہ درج ہے کہ:

"ملا قطب الدین سہالوی ملا ابوالوعظ کے پاس علمی بحث و مباحثہ کی غرض سے برگام پہنچے، لیکن ملا ابوالوعظ نے اس سے گریز کیا اور ان سے فرمایا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں، تم نوجوان ہو، اگر مباحثہ میں مجھ پر کوئی اعتراض وارد ہوا، جس کا میں جواب نہ دے سکا، تو میرے مرنے کے دن قریب آئے ہیں، درس و تدریس تک کا ہوش نہیں۔ اس لئے مجھے کوئی ندامت نہ ہوگی اور نہ دوسروں کا کوئی نقصان ہوگا، لیکن اگر آپ کے ساتھ یہ بات پیش آجائے گی تو پھر طلبہ کے دل سے آپ کا وقار جاتا رہے گا، اور جو آپ کی ذات سے دوسروں کو فیض پہنچ رہا ہے، وہ ختم ہو جائے گا۔

ملا قطب الدین نے عرض کیا کہ:

مرا داعیہ تلمذاست نہ داعیہ برابری اگر استفادہ خواہم کرد کتاب درمیان خواہم نہاد۔	میرے اندر تلمذ کا داعیہ ہے برابری کا نہیں، کتاب درمیان میں رہے گی۔

اسکے بعد کئی روز تک دونوں بزرگوں کی پرخلوص صحبت رہی۔

ملا ابوالوعظ عالم گیر کے استاذ بھی رہ چکے تھے آمدنامہ میں ہے:

از استاذان عالم گیر بادشاہ اند	عالم گیر کے استاذ تھے۔

وفات

آپ نے برگام میں پوری زندگی بسر کی، اور وہیں وفات پائی، تاریخ وفات اور اولاد و اخلاف کی تصریح نہیں

مل سکی۔

علم و فضل

مولانا فضل امام ان کے علم و فضل کے متعلق لکھتے ہیں۔

ملا ابوالوعظ ہرگامی از اساطین علماء واراکین فضلا بودہ در جمیع علوم دستگہے بلند و قدرتے تمام داشت۔

ملا ابوالوعظ ہرگامی اساطین علماء میں تھے تمام علوم پر ان کو دستگاہ تھی اور ان میں بلند مقام رکھتے تھے۔

ملا ابوالوعظ کو باطنی ذوق سے بھی حصہ ملا تھا۔ آمدنامہ میں ہے:

خوارق عادات و کمالات باطنی ملا بسیار نقل کنند۔

خوارق عادات اور انکے کمالات باطنی کے واقعات لوگ کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔

علمی یادگاریں

انہوں نے بہت سی علمی یادگاریں چھوڑی ہیں ان میں ہدایہ، مطول، اور ملا جلال کے حواشی خاص اہمیت رکھتے ہیں، ملا جلال کے حواشی کے متعلق مولانا فضل امام صاحب لکھتے ہیں کہ۔

دیدہ ام بغایت متین نوشتہ بودند و ازاں حاشیہ مبلغ علم ملا معلومی شد۔

ملا جلال کا حاشیہ میں نے دیکھا ہے نہایت ہی متوازن ہے جس سے انکی علمی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک رسالہ جملہ خبریہ کے متعلق بھی لکھا تھا، اس کے متعلق مولانا فضل امام صاحب فرماتے ہیں:

الحق نہایت خوب است و مرتبہ متین است۔

یہ رسالہ نہایت عمدہ اور بہترین ترتیب ہے۔

لیکن زمانہ کی دستبرد سے ان کی اکثر کتابیں ضائع ہوگئیں مولانا فضل امام صاحب ان کتابوں کے ناپید ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

در زمان از ملا نشانے یافتہ نمی شود
اطارت بہا العنقام غاب بہا العقل

اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ہے۔

فتاویٰ میں شرکت

ان سب کے علاوہ ملا ابوالوعظ کا سب سے بڑا کارنامہ اور ان کی قیمتی یادگار فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں شرکت ہے۔ آمدنامہ میں ہے:

تالیف فتاویٰ عالم گیری شرکت داشتند

یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کس حصہ کی تالیف ان کے سپرد تھی اور یہ بھی نہ پتہ چل سکا کہ وہ کسی کے معاون کی حیثیت سے کام کر رہے تھے، یا وہ خود کسی حصہ کے ذمہ دار تھے۔

ایک ضروری بات

فتاویٰ عالم گیری کے چند اور جامعین کے حالات یا نام بعض حال کے اردو تذکروں میں مل گئے ہیں۔ اگرچہ کسی قدیم تذکرہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی لیکن اس خیال سے ان کے نام یا مختصر حالات کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے، تاکہ اصحاب علم میں کسی صاحب کو اگر ان کے صحیح حالات اور فتاویٰ کی تالیف میں ان کی شرکت کی تائید کسی قدیم ماخذ سے مل جائے، تو وہ اس کو پیش کر سکیں۔

فتاویٰ کے مؤلفین کے ناموں کے ذکر کرنے میں زیادہ احتیاط اس وجہ سے کرنی پڑتی ہے کہ اس کے جمع و ترتیب کی نسبت بہت سے لوگوں کی طرف غلط مشہور ہو گئی ہے، اس غلطی کی وجہ ظاہر ہے کہ فتاویٰ عالمگیری ہندوستان کے علمار کا ایک بڑا کارنامہ ہے، اس میں علمار کی ایک کثیر تعداد شریک تھی، اور وہ کام چونکہ کئی برس تک ہوتا رہا، اس لئے اشخاص میں

ردو بدل بھی ہوتا رہا۔ اس بنا پر جن اشخاص یا جس خانوادہ علم کا فتاویٰ میں شرکت کے علاوہ علمی تعلق دربار عالم گیری سے تھا، ان کی طرف بھی نا دانستہ طور پر فتاویٰ کی تالیف کی نسبت کا ہو جانا چنداں تعجب خیز نہیں ہے نیز جن لوگوں نے اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات لکھے، انھوں نے بھی اپنے اجداد کو اس شرف میں شریک کرنے کی کوشش کی جیسا کہ ہر بڑے اور باعث امتیاز کاموں میں شرکت کی نسبت ہوتا ہے۔

یہ چند سطریں اس لئے لکھ دینا ضروری معلوم ہوا کہ مؤلفین فتاویٰ کی فہرست میں جو نام بھی داخل کئے جائیں۔ اس میں پوری احتیاط سے کام لیا جائے بہر حال ان کے نام یا مختصر حالات یہ ہیں۔

۸۔ ملا محمد غوث کاکوروی

محمد غوث نام، ابو محمد کنیت، اور وطن کاکوری تھا۔

۱۰۵۶ھ میں کاکوری میں پیدا ہوئے۔ مکتبی تعلیم کے بعد ملا محمد زماں، ملا ابو الواعظ[۱] اور ملا قطب الدین سہالوی سے عربی کی تکمیل کی[۲] تکمیل کے بعد دلی چلے گئے۔ ان کے تبحر علمی نے دربار عالم گیری میں پہنچایا۔ عالم گیر ان کا بڑا اعزاز کرتے تھے اور حدیث میں خاص طور سے انھوں نے ان سے استفادہ کیا تھا۔

مؤلف مشاہیر کاکوری کے مطابق ملا محمد غوث بارہ سال تک عالمگیر

---

[۱] یہ بھی مؤلفین فتاویٰ میں ہیں۔ [۲] مشاہیر کاکوری ص ۲۵۴

کے ساتھ دکن میں رہے۔

ملا غوث نے درس وتدریس کا مشغلہ بھی ہمیشہ جاری رکھا، اور بہت سے تشنگان علم کی پیاس بجھائی۔ ان کے مشہور تلامذہ میں شاہ محمد وارث، شیخ عبداللہ بن شیخ امان اللہ اور مولوی غلام مرتضیٰ مولف جواہر الانشار ہیں۔

۶۳ سال کی عمر میں ۲۶ صفر ۱۱۱۸ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی، صاحب مشاہیر کاکوری فتاویٰ میں ان کی شرکت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"تبحر علمی نے عالم گیر کے دربار تک پہنچایا اور وہاں مجلس جامعین و مؤلفین فتاویٰ عالم گیری میں مقرر ہوئے۔" (ص ۳۵۴)

مؤلف نے اس کے ثبوت میں قاضی نجم الدین علی خاں (جو ملا غوث کے پوتے ہیں) کی کتاب اشک ریاض سے ایک فارسی عبارت نقل کی ہے لیکن فتاویٰ کی تالیف میں شرکت کے متعلق کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے، اس لئے ان کو فتاویٰ میں شامل کرنے کے لئے مزید ثبوت اور تصدیق کی ضرورت ہے۔

نواب علی حسن خاں قاضی نجم الدین کے حالات میں لکھتے ہیں:

وجہ بزرگوارش ملا محمد غوث فضائل بے پناہ وکمالات دستگاہ و در علم حدیث استاد اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ بود۔ (گلشن)

ملا غوث بے پناہ فضائل کے حامل تھے علم حدیث میں خاص درک تھا۔ عالم گیر کے یہ استاذ حدیث تھے۔

لیکن انھوں نے بھی فتاویٰ کی شرکت کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔

۹۔ ملا سعید

ملا سعید ملا قطب الدین شہید سہالوی کے منجھلے صاحبزادے تھے۔

تعلیم کی تکمیل اپنے والد ہی سے کی۔ اور عرصہ تک والد کے ساتھ درس و تدریس کا مشغلہ رکھا، حضرت شہید کی شہادت کے بعد انھوں نے عالم گیر کے دربار سے تعلق قائم کیا، اور وہاں سے فرنگی محل کے قیام کی سرکاری سند ملنے کے بعد اہل وعیال سمیت سہالی سے لکھنؤ منتقل ہو گئے۔

ولادت و وفات کی تاریخ کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، پسماندگان میں دو صاحب زادے احمد عبد الحق اور مولانا عبد العزیز یادگار چھوڑے

فتاویٰ کی تالیف کی شرکت کے بارے میں صاحب تذکرہ علمائے فرنگی محل نے لکھا ہے کہ:

"مشہور ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں ملا سعید بھی دوسرے علمار کے مانند شریک تھے" (ص ٦٣)

لیکن محض شہرت قطعی ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے۔

١٠۔ علامہ ابوالفرح

حیات جلیل ص ١٣ میں مذکور ہے

" امیر میراں علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معدن جو فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تالیف میں دیگر علمائے عصر کے دست و بازو تھے"

مؤلف نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس لئے قطعی طور سے فتاویٰ کی تدوین ان کی شرکت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۱۱۔ مُلّا غلام محمّد

برادرِ محترم مولانا ابوظفر صاحب ندوی نے ایک خط میں ملا غلام محمد قاضی القضاۃ کے متعلق لکھا تھا، کہ وہ بھی مولفین فتاویٰ میں ہیں، اور انھوں نے ایک قلمی کتاب آثار اشرف کا حوالہ بھی دیا تھا۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ کتاب دستیاب نہیں ہوسکی، کتاب ملنے کے بعد اس کی مزید تفصیل کی جائے گی۔

۱۲۔ چلپی عَبداللہ

فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے کہ انہوں نے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا اب ان کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

عبداللہ نام، چلپی غالباً لقب یا خاندانی نسبت تھی۔ شاہ جہاں کے زمانہ میں روم[1] سے ہندوستان آئے، عربی، ترکی، فارسی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے[2] ان کو تصوف اور فن تصوف خصوصاً صوفیہ کی اصطلاحات وغیرہ سے پوری واقفیت تھی۔ تصوف و حکمت میں کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ فرحۃ الناظرین میں ہے۔

ازعلوم ظاہری و معارف باطنی بہرہ	یہ علوم ظاہری اور معارف باطنی سے
تمام داشت در مصطلحات طائفہ عالیہ	بہرہ ور تھے تصوف اور صوفیا کی اصطلاحات

---

[1] روم سے مراد ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے۔

[2] فرحۃ الناظرین ص ۸۱

صوفیہ آگہی تمام حاصل نمودہ... در علوم تصوف و حکمت توالیف رائقہ و تصانیف لائقہ دارد۔ (ص ۸۲)

سے پورے طور پر واقف تھے حکمت و تصوف میں ان کی متعدد عمدہ کتابیں ہیں۔

ملا اسعد اللہ جو عالم گیر کے مقربین میں تھے، ان سے بڑا تعلق تھا۔ غالباً انہی کے ذریعہ دربار میں پہنچے اور فتاویٰ عالم گیری کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور ہوئے اور اپنے چند شاگردوں کے ساتھ اس مبارک کام کو انجام دیا[1] تبصرۃ الناظرین میں ہے:

و چلپی عبداللہ بترجمۂ آں (فتاویٰ عالمگیری) مامور بود[2]

چلپی عبداللہ فتاویٰ عالم گیری کے ترجمہ پر مقرر ہوئے۔

صاحب مرأۃ العالم کو غالباً نام کے اشتراک سے دھوکا ہوا، اس نے چلپی عبداللہ کو ملا عبداللہ سمجھ کر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا لڑکا اور فتاویٰ کا مترجم قرار دیا۔ اور ان کے نام کے آگے چلپی نسبت رہنے دی۔ حالانکہ چلپی کی نسبت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحب زادے کی طرف کسی طرح صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ لفظ ترکی زبان میں کوئی لقب یا خاندانی نسبت کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جس کی طرف وہاں کے بہت سے علماء منسوب ہیں کشف الظنون کے مصنف بھی اسی نسبت سے چلپی مشہور ہیں۔ ہندوستان کے کسی عالم کی طرف اس نسبت کا کیا جانا قیاس میں نہیں آسکتا۔

اوپر ہم خود مرأۃ العالم ہی کی ایک دوسری عبارت نقل کر چکے ہیں کہ

---

[1] مرأۃ العالم قلمی نسخہ ۲۷۵۔

[2] قلمی نسخہ دار المصنفین نقل از نسخہ خدابخش خاں لائبریری، پٹنہ۔

عبداللہ چلپی اس کے مترجم تھے جو ترکی النسل تھے۔

ملا عبداللہ کو مترجم قرار نہ دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مرأۃ العالم میں عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس سال یعنی ۱۰۷۸ھ تک کے واقعات درج ہیں اور اس کے آٹھ برس بعد یعنی ۱۰۸۶ھ میں دربار سے ملا کا تعلق ہوا، اور فتاویٰ عالمگیری کا ترجمہ اس سے پہلے شروع ہو چکا تھا[1] صاحب مآثر عالمگیری ۱۰۸۶ھ کے واقعات میں لکھتا ہے۔

(مولوی عبداللہ) ہنوز ملازمت عالی سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، قبلۂ عالم نے حسن ابدال سے ان کے نام پیام شوق روانہ فرمایا کہ جہاں پناہ کے لاہور پہنچنے پر فاضل مذکور اپنے وطن سے روانہ ہو کر اس شہر میں بادشاہ کی ملازمت کا شرف حاصل کریں۔ مولوی عبداللہ لشکر شاہی کے ورود سے دو تین روز پیشتر ہی لاہور پہنچ گئے تھے۔ مولوی مذکور چند مرتبہ خدمت شاہی میں حاضر ہو کر صحبت فیض اثر سے بہرہ اندوز ہوئے۔ بادشاہ علم پرور نے فاضل سیالکوٹی کو خلعت خاص اور دو سو اشرفیاں مادہ فیل عطا فرما کر ان کو وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (ص ۱۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کے مترجم ملا عبداللہ سیالکوٹی نہیں بلکہ چلپی عبداللہ ترکی تھے۔

---

[1] خود مرأۃ العالم کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۸۶ھ سے پہلے فتاویٰ کے ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا۔

۱۳۔ سید علی اکبر سعد اللہ خانی

غالباً دلی کے باشندے تھے عقلی علوم میں انھیں کافی دستگاہ تھی، خصوصیت سے علم دانائی (فقہ) میں یکتائے روزگار تھے۔ فرحۃ الناظرین میں ہے:

اکثر فنون دانش درزبدہ وغوامض و دقائق علوم آگہی داشت وبسیار در فقہ۔ (ص ۸۳)	بیشتر علم وفن سے واقف تھے خاص طور پر فقہ میں ان کو کافی مہارت تھی۔

مجبوب الاجباب میں ہے:

دراکثر فنون مہارتے کامل داشت۔ علم فقہ نیک می دانست"۔	اکثر فنون میں کامل مہارت رکھتے تھے خاص طور پر فقہ میں۔

سعد اللہ خان[1] کے خاص ہم نشینوں اور ہم جلیسوں میں تھے۔ ان کا زیادہ وقت سعد اللہ خان ہی کے پاس گزرتا! اسی تعلق سے وہ سعد اللہ خانی مشہور ہو گئے۔ سعد اللہ کے ایک لڑکے لطیف اللہ خاں کی تعلیم و تربیت بھی ان ہی کی نگرانی میں ہوئی۔ لطیف اللہ نے آپ کے فیض صحبت سے علوم میں اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی تھی۔

غالباً سعد اللہ خان ہی کے واسطہ سے دربار شاہی میں رسائی ہوئی۔

---

[1] عالم گیر کے دربار کا بڑا معقول آدمی تھا۔ مآثر الامرا میں اس کا تذکرہ موجود ہے، جملۃ الملک اس کا خطاب تھا۔

اور فتاویٰ کی تالیف میں شریک کئے گئے۔ فرحۃ الناظرین میں ہے:

بتالیف فتاویٰ عالم گیری مامور شدہ — فتاویٰ عالم گیری کی تالیف پر مامور

بعنایت خلیفہ رحمانی امتیاز داشت [1] — ہوئے۔

مآثر عالم گیری نے ۱۰۹۰ھ کے واقعات کے ضمن میں سید علی اکبر قاضی کا ذکر کیا ہے۔ اگر یہی سید علی اکبر مؤلف فتاویٰ ہیں تو صاحب مآثر کے بیان کے مطابق وہ لاہور کے قاضی رہ چکے تھے۔ اور وہیں امیر قوام الدین ناظم لاہور کی سازش سے قتل ہوئے۔ ان کے قتل کا مقدمہ چلا! اس سلسلہ میں امیر قوام الدین کو نظامت سے برطرف کر کے عدالت شاہی میں لایا گیا۔ مگر انکے صاحب زادے نے قوام الدین کے اعزہ واقارب کی سفارش سے قصاص معاف کر دیا اور وہ رہا ہو گیا [2]

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایک صاحب زادے بھی تھے۔

۱۴۔ سید نظام الدین ٹھٹھوی

شہر ٹھٹھ (سندھ) اصلی وطن تھا، فقہ میں کافی دستگاہ تھی، اسی علم دانائی (فقہ) نے انھیں دربار شاہی میں پہنچایا، اور وہاں مختلف مناصب پر مامور ہوئے، اور دوسرے علمار کے ساتھ انھوں نے فتاویٰ کی تالیف میں حصہ لیا۔ تذکرۂ علمائے ہند کے علاوہ تحفۃ الکرام میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

---

[1] فرحۃ الناظرین ص ۴۸ [2] مآثر عالم گیری ص ۱۳۱

سید نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ او فق انام و در علوم اعلم کرام بر آمدہ بجذبہ طبع گرائیدہ سوئے شاہجہاں آباد و شناخت و در تالیف فتاویٰ عالم گیری بسے شکلات حل کردہ (ص ۸۰، ۲ وتحفۃ الکرام ج ۲ ص ۲۵)	سید نظام الدین ٹھٹھوی دوسرے علوم کے ساتھ فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے شاہ جہاں آباد آئے اور فتاویٰ عالم گیری کی بہت سی شکلات حل کرنے میں معاون ہوئے۔

۱۵۔ قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی

آپ ٹھٹھ شہر (سندھ) کے باشندے تھے آپ کی زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے۔ تذکرہ علمائے ہند میں اتنا ہے کہ:

در فتاویٰ عالم گیری شریک استنباط مسائل بود۔	فتاویٰ عالم گیری میں استنباط مسائل میں شریک تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں شریک اور استنباط مسائل اور ماخذ پر پوری نظر تھی۔ تحفۃ الکرام ج ۳۔ ص ۲۱۸

استنباط مسائل سے غالباً مراد یہ ہے کہ فقہائے احناف کے مختلف اقوال میں جو قول کتاب و سنت کے مطابق ہوتا اس کی نشاندہی کر دیتے تھے اس سے ان کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

۱۶ جلال الدین محمد

مچھلی شہر ضلع جونپور کے باشندے تھے۔ آٹھ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب قاضی نثار الدین مچھلی شہری سے جو اپنے وقت کے بڑے متبحر اور مرتاض عالم تھے، مل جاتا ہے۔

آپ کو جملہ علوم میں دستگاہ تھی، خصوصیت سے فقہ وحدیث میں بہت ممتاز تھے، مشاہیر جونپور میں ہے۔

درفقہ وحدیث بزمان او نظیرش نمی تواں یافت۔ (ص ۱۲۱)	حدیث وفقہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔

درس وتدریس

آپ کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس وتدریس تھا، ساری عمر آپ کا فیض جاری رہا، اور ہزاروں تشنگان علم اس چشمۂ علم سے سیراب ہوئے۔ مشاہیر جونپور میں ہے۔

مشغلۂ درس وتدریس مادام الحیات مرعی داشت اکثرے فضلائے ایام باد پیوستند وگلہائے فیض فراواں چیدند	درس وتدریس کا مشغلہ پوری زندگی قائم رکھا اس دور کے اکثر فضلا نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

عالم گیر کو جب آپ کے علم وفضل کی اطلاع ملی تو بڑی نیازمندی سے بلا کر شاہی دربار کے علما میں شامل کیا۔

جب فتاویٰ عالم گیری کی تالیف کا کام شروع ہوا تو اس کے حصہ اول کی تالیف آپ کے سپرد ہوئی۔ مشاہیر جونپور میں ہے۔

از تصنیفات وتالیفاتش فتاویٰ عالم گیری حصہ اول است کہ حسب الامر سلطانی جمع نمود۔ (ص ۱۲۲)	بادشاہ کے حکم سے وہ فتاویٰ عالم گیری کی تدوین وتالیف میں شریک ہوئے

وفات

سنہ وفات کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، آپ کے مدفن کے متعلق صاحب مشاہیر جونپور لکھتا ہے۔

قبرش در قصبہ مچھلی شہر جانب جنوب بر سرحد موضع اونیاپورہ است (صـ ۱۲۲)	مچھلی شہر کے جنوب میں موضع اونیاپور کی سرحد پر ان کی قبر ہے۔

۱۷۔ مُلّا حامِد جونپوری

حامد نام، جونپور وطن تھا، عنفوان شباب ہی میں دلی چلے گئے۔ وہاں شاہ جہانی دربار کے مشہور عالم مرزا محمد زاہد کابلی[1] کی خدمت میں پہنچے، عربی کی اکثر متداول کتابیں ان سے اور بعض کتابیں اسی عہد کے ایک اور صاحب علم و دانش مندو خان[2] سے پڑھیں، تکمیل علم کے بعد شاہی دربار کے ان علماء کے زمرہ میں لے لئے گئے، جن کو ڈیڑھ دو روپیہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا[3]۔

شاہ جہاں کے بعد جب عالم گیر سریر آرائے حکومت ہوئے تو انھوں نے دربار کے تعلق اور مناصب کو برقرار رکھا، شاہزادہ اکبر جب سن شعور کو پہنچا تو اس کی تعلیم و تربیت انہی کے سپرد ہوئی۔ اور فتاویٰ عالم گیری کی تالیف کے لئے ان کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ تذکرہ علمائے ہند میں ہے:۔

در عہد عالم گیر داخل مؤلفین فتاویٰ شد۔ (ص ۲۰۴)

عالم گیر کے عہد میں مؤلفین فتاویٰ ان کا داخلہ ہو۔

ارباب تذکرہ نے زمانہ وفات وغیرہ کی کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ ہی فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے[4]

(تحفۃ الکرام ج ۲ ص ۴۴)

---

[1] منطق میں میر زاہد ان ہی کی تصنیف ہے [2] وزیر امور ممالک غیر تھے [3] فرحۃ الناظرین تذکرہ علمائے ہند۔

[4] صاحب مشاہیر جونپور نے بھی ملا حامد نام کے ایک عالم کا تذکرہ کیا ہے، مگر سنہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق وہ آخر عمر میں (بقیہ ص ۱۱ پر)

۱۸- شیخ رضی الدین

بھاگل پور (بہار) کے ایک شریف خاندان سے تھے۔ علم وفن میں تبحر کے ساتھ فن سپہ گری میں کمال رکھتے تھے[1] دربار شاہی میں مختلف عہدوں پر مامور تھے۔ فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں بھی ان کی شرکت تھی، اس کے معاوضہ میں دربار شاہی سے تین روپیہ یومیہ ان کو ملتے تھے مآثر عالم گیری میں ہے۔

"شیخ رضی الدین بھاگلپوری (بہار) کے شرفا میں تھے۔ یہ فاضل مؤلفین فتاویٰ عالم گیری میں شامل تھے اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی۔" (ص ۶۲)

(بقیہ حاشیہ ص کا)

دلی سے جونپور واپس چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔ انھوں نے ایک بہت وسیع اور پختہ مسجد بنوائی تھی۔ اسی کے قریب وہ دفن ہوئے۔ جونپور کا ایک محلہ بھی ان کے نام سے مشہور ہے۔ شاید یہ محلہ ملا ٹولہ ہو۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھتا ہے کہ شاہ عالم کے زمانہ میں دلی گئے اور شہزادہ اکبر کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے اور اکبر سے مراد شاہ عالم ثانی کا لڑکا اکبر ہے، تو یہ ملا حامد دوسرے تھے اور اگر اس سے مراد عالم گیر کا لڑکا اکبر ہے تو پھر یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ لیکن صاحب مشاہیر نے فتاویٰ کی تالیف کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ لکھا ہے "ہیچک نسخہ از تصنیفات شان شہرتے ندارد۔" (ص ۹۴)

[1] ترجمہ مآثر عالم گیری ص ۶۲

۱۹۔ مولانا محمد شفیع

مولانا محمد شفیع اور ان کے خاندان کے تین اور عالموں کے حالات جو فتاویٰ کی تالیف میں شریک تھے، زیادہ تر سید طہ صاحب کے مضمون "صوبہ بہار کا ایک قدیم خانوادہ" سے ماخوذ ہے۔

مولانا محمد شفیع عہد عالم گیری کے بڑے ممتاز اور باصفا عالم تھے، عالم گیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی، اکثر شہزادگان بھی فیض صحبت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، شجرۃ الاصل النورانیہ میں ہے[۱]

مولانائے اشتہار عالم دارند بادشاہ عالم گیر رجوع یادداشت و فرزندان وے برائے زیارت رسیدہ بودند۔	مولانا عالمی شہرت رکھتے تھے عالم گیر اور ان کے لڑکے ان سے استفادہ کرتے تھے۔

آپ دادھیال کی طرف سے عثمانی اور ناہال کی طرف سے سید تھے جدی وطن بغداد تھا۔ ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترک وطن کر کے غزنی، وہاں سے سرہند، پھر دہلی، اس کے بعد بہار آئے اور وہیں بود وباش اختیار کر لی۔ ان کے خاندان کے بعض لوگ اب تک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں۔

ہم از بعضے فرزندان خاندان خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی بطریق سیاحت و سفر مخصوص بہ نسبت زیارت حضرت مولوی	ہمارے خاندان کے خواجہ محمود غزنوی سیاحت کرتے ہوئے خاص طور پر حضرت مولانا محمد شفیع کی زیارت کے لئے بہار کے

---

[۱] یہ کتاب آج سے ساٹھ سال قبل کی تصنیف ہے اس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں محفوظ ہے

معنوی محمد شفیعؒ قدس اللہ بسرہم القدسی درین علاقہ بہار رسیدہ بودند و اصل ایشاں از سرہند بود۔ چنانچہ ہم بہ تحقیق پیوستہ حضرت ایشاں از حضرت بغداد و بغزنی نزول فرمودند واز آنجا بسرہند و زآنجا بہ دہلی واز آنجا بحضرت بہار بہار نمودند کہ بعضے از ایشاں ہم در سرہند اقامت دارند و بعضے در دہلی"۔[1]

علاقہ میں آئے ان کا اصل وطن سرہند تھا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بغداد اور غزنی سے سرہند پھر دہلی آئے۔ اور پھر بہار میں سکونت اختیار کر لی خاندان کے بعض لوگ اب بھی سرہند اور دہلی میں ہیں۔

سنہ ولادت کی کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی۔ البتہ باطنی علوم و معارف کی تکمیل اپنے ماموں حضرت پیر محی الدین قلندری کی خدمت میں کی۔

ان کے متعلق خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق تھے۔ مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا۔ آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا۔ چنانچہ ایک فرمان پر یہ عبارت درج ہے۔

بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ معاف شد۔

دربار شاہی سے ان کو مولوی معنوی کا لقب ملا تھا۔

سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں ملتی، خاندان والے انکے

---

[1] شجرۃ الاصل النورانیہ

سالانہ عرس کی جو رسم ادا کرتے ہیں، اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ انکی تاریخ وفات ۱۱ شوال ہے، ملفوظات گنج رشیدی اور سنہ شاہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ۱۰۸۲ھ تک زندہ رہے۔

ملا محمد شفیع ساکن التواکہ عمر یک صد و یک سالہ داشتہ اند۔ ملا محمد شفیع ساکن التواکہ نے ایک سو سال عمر پائی۔

سنہ شاہی کی عبارت یہ ہے۔

رمضان ۱۶ سنہ جلوس (۱۰۸۲ھ) مکرر بعرض رسید

آپ کی اولاد میں قاضی بدیع الزماں بڑے پایہ کے عالم تھے۔

جب فتاویٰ کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالم گیر نے مولانا محمد شفیع کی خدمات بھی حاصل کیں اور ایک روپیہ بارہ آنہ یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ پھر یومیہ وظیفہ کے بجائے ایک سو تیس بگھہ آراضی پرگنہ اوکری میں دے دی، جس کی شاہی سندان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے جس میں ان باتوں کی پوری تفصیل ملتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے۔

شرح یادداشت واقعہ در سنہ بست دہشتم شہر رجب ۱۵ سنہ جلوس والا موافق ۱۰۸۳ھ برسالہ سیادت و ثقافت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت پادشاہی قابل مرحمت شاہنشاہی، صدر رفیع القدر رضوی خاں و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ مرزا بیگ قلمی می گردد کہ بعرض مقدس معلے رسید کہ بموجب فرمان والا شان سعادت لسان مرقوم تاریخ ۱۱ ربیع الاول ۱۱ سنہ جلوس مبارک مبلغ یک روپیہ... بطریق یومیہ ہر سال ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت بسر ط جمع فتاویٰ عالم گیری بہ ہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ مدد معاش شیخ

محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود و ثانی الحال در حکم علی العموم یومیہ مذکور برطرف گشتہ۔ مشارٌ علیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است و جمع کثیر وابستہ دارد امیدوار است کہ حکم جہاں مطاع، عالم مطیع صادر شد کہ موازی یک صد وسی بیگھ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از گردی سرکار صوبہ بہار در وجہ مدد معاش اور مرحمت فرمودیم و اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آں را اعتبار بکنند۔ و یومیہ مذکور را برطرف شمارند واقع، جمادی الاول ۵ جلوس بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد۔ شرح بہ خط سیادت و نقابت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضوی خاں گلہ داخل نمایند شرح بخط واقع نویس مطابق واقع است شرح بخط زبدۃ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت مقرب آنحضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ شجاعت و شہامت پناہ جلادت و بسالت دستگاہ شائستہ انواع عنایات.....

سزاوار اصناف مراحم پادشاہی بخشی الملک اسد خاں گلہ بعرض مکرر رسانید شرح بخط فضائل پناہ کمالات دستگاہ شیخ ... رمضان ۱۶ جلوس مکرر بعرض رسید۔ شرح بخط زبدہ وارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت بخشی الملک گلہ فرمان عالی شان قلمی نمایند۔ از ربیع اوامل شرح ۱۲ یومینہ موجب.. فرمان عالی شان باسم محمد شفیع بشرط جمع فتاویٰ عالم گیری مقرر بود بعہدہ درس ولا از پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار مرحمت شد۔

۲۰۔ ملا وجیہ الرب

آپ کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے، فرمان شاہی کی اس عبارت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مولوی معنوی کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی تالیف میں شریک

تھے اور دربار کی طرف سے ان کو بھی وظیفہ ملتا تھا۔

بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری ہمراہی شیخ
وجیہ الرب مرحوم در وجہ مدد معاش
شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود

فتاویٰ کے جمع و تلاش کے لئے ان کو
وظیفہ ملتا تھا یہ شیخ محمد شفیع کی معیت
میں کام کرتے تھے۔

۲۱۔ مولانا محمد فائق

مولانا محمد شفیع کے صاحب زادے قاضی بدیع الزماں ان کے خسر تھے اور فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے۔ اس کے عوض میں دربار سے عا/۸ یومیہ وظیفہ ملتا تھا۔ پھر بعد میں کچھ زمین جاگیر میں دے دی گئی جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے۔

شرح یادداشت واقعۂ روز جمعہ ششم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۶ جلوس والا موافق سنہ ۱۰۸۴ھ مبلغ دو و نیم روپیہ عہ/۸ بلا قصور یومیہ ہمراہ ملا محمد اکرم در وجہ مدد معاش سید محمد فائق ولد سید محمد شائق بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری عوض یومیہ مذکور یک صد و پنجاہ بیگھہ زمین افتادہ و لائق زراعت از پرگنہ ایکل سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم۔

★★★★★★★★★★★★★

۲۲۔ ملا محمد اکرم

مولانا محمد فائق کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے اور ان کو بھی دربار شاہی سے یومیہ وظیفہ ملتا تھا۔

مبلغ دو ونیم روپیہ بلاقصور یومیہ ہمراہ ملا اکرام دروجہ معاش ... بشرط جمع فتاویٰ عالم گیری۔

ملا محمد اکرم کو بھی مولانا فائق کے ساتھ دو روپے آٹھ آنے یومیہ وظیفہ اس شرط کیساتھ مقرر ہوا کہ وہ فتاویٰ عالم گیری کی جمع وترتیب میں حصہ لیں گے

دارالحکومت کے موروثی مفتی تھے۔ سنہ ۱۱۰۹ھ میں اردوئے معلیٰ کے قاضی ملا عبداللہ کے انتقال کے بعد عہدۂ قضا بھی ان کے سپرد ہوا۔ مآثر عالم گیری میں ہے۔

"قاضی عبداللہ نے مرض فالج میں دنیا کو خیرباد کہا۔ ان کے بجائے محمد اکرم جو دارالحکومت کے موروثی مفتی تھے۔ اردوئے معلیٰ کی خدمت قضا پر حضور پرنور میں طلب فرمالئے گئے۔ (ص ۳۸۱)

۲۳- مُلّا فصیح الدین پھلواری

جامع فتاویٰ عالم گیری

از

جناب عون احمد صاحب قادری

دسمبر ۱۹۴۶ء اور جنوری ۱۹۴۷ء کے معارف میں مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی صاحب کا مضمون "فتاویٰ عالم گیری اور اس کے مؤلفین" نظر سے گزرا جب تک یہ مضمون ختم نہیں ہوا تھا، خیال تھا کہ پھلواری کے دو بزرگ جنھوں نے اس کی تدوین میں شرکت کی ہے، ان کا بھی ذکر آئے گا، مگر جنوری کا پرچہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا، کہ صاحب مضمون کو اس کا علم نہیں ہے، کہ پھلواری کے کوئی فاضل بھی اس کی تالیف میں شریک رہے ہیں۔ اور اگر ان کا علم ہے تو تفصیلی حال معلوم نہیں، اس لئے ذیل کی سطریں برائے اشاعت پیش ہیں۔

ملا فصیح الدین جعفری

ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا، وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پڑپوتے تھے تحصیل علم کے لئے دہلی گئے اور ملا عوض وجیہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تکمیل کی، سلطان اورنگ زیب عالمگیر کا عہد تھا، استاد دربار شاہی کے ممتاز لوگوں میں تھے۔ ملا فصیح اپنے استاذ کے ذریعہ عالم گیر کے دربار میں پہنچے اور اپنے تبحر علمی کی بنا پر فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں

شریک کئے گئے، اور سلطان اورنگ زیب عالم گیر نے ان کی علمی قابلیت اور جوہر ذاتی کی قدر کر کے مدد و معاش میں ایک سو بیس بیگھہ آراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ کے لئے عطا فرمایا۔

جب دہلی سے اپنے وطن پھلواری واپس آئے تو اپنے آبائی مدرسہ میں درس دینا شروع کیا۔ ان کے آبائی مدرسہ کا تذکرہ بھی اگلی کتابوں میں ملتا ہے، یہ مدرسہ مسجد سنگی سے اتر جانب تھا۔ اس میں حضرت امیر عطار اللہ کی اولاد سے علمار فضلار درس دیا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ ۱۲۷۲ھ تک نہایت عروج کے ساتھ آباد رہا۔

ملا فصیح الدین کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا۔ پھلواری کے متقدمین علمار میں ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے، ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی۔ ارشد تلامذہ میں موصوف کے چاروں صاحبزادے اور قاضی حیات مرید اور ملا غلام شرف الدین قابل ذکر ہیں۔

ملا فصیح الدین کے بڑے لڑکے ملا صبیح الدین ان کے بعد مسند درس پر بیٹھے، اور بہت سے لوگوں نے ان سے علمی فیض حاصل کیا۔ ان کے بعد اس مسند پر ان کے بھلانجے ملا مبین جعفری بیٹھے، جو بیک واسطہ استاذ الکل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے، ملا مبین کے بعد ملا فصیح الدین کی مسند درس کچھ دنوں خالی رہی، پھر ان کے بھائی ملا مبین کے پوتے مولانا حافظ عبد الغنی اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ساٹھ برس تک اس مسند پر درس دیتے رہے۔

ملا فصیح الدین نے ۱۱۱۹ھ میں وفات پائی اور مسجد سنگی کی شرقی جانب مقبرہ میں مدفون ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

ملا فصیح الدین کے صاحبزادے ملا صبیح الدین کے نام سلطان عالم گیر کی

طرف سے جو فرمان تھا، اس میں ان کا تذکرہ موجود ہے، فرمان طویل ہے اس کا وہ حصہ نقل کرتا ہوں۔

دریں وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانہ بلدہ عظیم صوبہ بہار و یک صد وبست بیگھہ زمین از پرگنہ پھلواری مضافات صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاویٰ بنام ملا شیخ فصیح الدین مقرر بود الحال المتعلقان ملا مذکور متوفی بلاقید آسامی دیدہ و دانستہ حسب الضمن مقرر شد۔

یہ فرمان ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد (۱۱۱۹ھ) ۱۵ ارجب دو شنبہ ۱۱۲۰ھ میں تجدید کیا گیا تھا۔ ملا فصیح الدین کے نام جو فرمان تھا، اس میں ان کی شرکت کا ذکر تھا، مگر وہ ضائع ہو گیا۔

★★★★★★★★★★★★★

از جناب مولوی سید شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواری

حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواری کا جامعین فتاویٰ عالم گیری ہونا یہاں کے خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر میں بھی آئی تو بہت بعد میں ان کے ہمعصروں میں سے یا ان کے متصل مولفین میں سے کسی کا نوشتہ موجود نہیں ہے اس زمانہ کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکروں میں بزرگوں کے محض کشف و کرامات کو منضبط کر لینا کافی سمجھتے تھے۔

لیکن پھر بھی اہل علم خاندان میں جو روایت مسلسل چلی آ رہی ہو، وہ بالکل بے

اصل اور غیر وقیع نہیں ہو سکتی، اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے روایت کے وزن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطار اللہ عہد ہمایونی واکبری میں یہاں آکر مقیم ہوئے۔ خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی میں تھے لیکن ان کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی۔

ابوالفضل کے اکبر نامہ میں بضمن وقائع سنہ ۹۶۱ھ خواجہ عطار اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے۔ خدا بخش خان صاحب مرحوم کی لائبریری میں شاہان و وزرائے مغلیہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطار اللہ کا بھی البم کی شکل میں موجود ہے۔ شیر شاہی خاندان کی تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے لے کر راج گیر تک پٹنہ کے جنوب میں بہت سے مغل شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دیئے تھے تاکہ پٹھانوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیں۔ اسی زمانہ میں خواجہ عطار اللہ بھی دہلی سے یہاں آئے۔ یہ عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی اولاد سے تھے۔ اسی لئے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے۔ امیر عطار اللہ نے یہاں سنگ سرخ کی ایک مسجد بنوائی، جو اب تک پھلواری کی جامع مسجد ہے، جہاں جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے، اور خاکسار راقم الحروف کے زیر تولیت ہے، اسی مسجد میں ملا فصیح الدین درس و افتار کا مشغلہ رکھتے تھے۔ اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے۔ چنانچہ شاہ عالم اول فرزند و جانشین عالم گیر نے ازروئے فرمان مجریہ سنہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لئے وظیفہ مقرر کیا تھا، جو ازروئے پروانگی و بمہر "اخلاص خان" ملا صاحب موصوف کے فرزندوں کو ملا تھا، اس کی عبارت مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو۔

ملاّ مذکور شاگرد اخوند ملا عوض وجیہ۔۔۔ متوطن قصبہ پھلواری سرکار وصوبہ بہار فاضل و متوکل است نیم روپیہ یومیہ و بست بیگھہ[1] زمین مدد معاش از سابق دارد و بخرچ وفا نمی کند امیدوار از تفضلات ۔۔۔ دیومیہ مسجد بآں قصبہ بنا کردہ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بیگھہ زمین مزروع مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور دیدہ و دانستہ۔

اس فرمان سے ظاہر ہو گیا کہ ملا فصیح الدین شہنشاہ عالم گیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعارف تھے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربار شاہی سے متعلق تھا۔

پس فتاویٰ عالم گیری کے جمع کرنے میں انہوں نے بھی کچھ خدمت انجام دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ بلکہ ایسا ہونا بہت ہی قرین قیاس ہے، تاریخ تو بہت سے خاندان راجوں، روایتوں اور انفرادی نوشتوں، دفینوں اور سفینوں کو اکٹھا کر کے بنائی جاتی ہے۔ پھر پھلواری کے ذی علم و مقتدر خاندان کی روایت کا ماخذ کیوں نہیں بن سکتی۔

---

[1] معارف: یک روپیہ و یک صد و بست بیگھہ زمین (؟)

فتاویٰ عالمگیری کے دو سندھی مؤلفین

اور

اُن کے اجداد

از مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی

دسمبر ۱۹۴۶؁ اور جنوری ۱۹۴۷؁ء کے "معارف" فتاویٰ عالم گیری اور اس کے مؤلفین" کے عنوان سے عزیزم مولانا مجیب اللہ ندوی کا جو مضمون شائع ہوا ہے، اس میں سندھ کے بزرگوں سید نظام الدین ٹھٹھوی اور قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی کے نام بھی لئے گئے ہیں جن کو فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں شمولیت کا شرف حاصل ہے۔

صاحب مضمون نے ان دونوں حضرات کے سلسلے میں تذکرہ علمائے ہند مصنفہ مولانا رحمان علی کو اپنا ماخذ بنایا، جس میں دو سطروں سے زیادہ ان کے سوانح حیات موجود نہیں، ذیل میں ان دونوں بزرگوں کے متعلق مزید معلومات پیش ہیں۔

ا۔ سید نظام الدین ٹھٹھوی

نسب سید نظام الدین ٹھٹھوی کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔
سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید نظام الدین بن

سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین والاسلام عرف سید جادم اول بن قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین بن سید نعمت اللہ بن سید عرب شاہ بن سید امیر نسیم الدین محمد المعروف بہ میرک شاہ بن امیر عطاء اللہ جمال الدین المحدث بن سید فضل اللہ بن سید میر عبدالرحمن بن سید عبداللطیف الاسنکی الشیرازی۔

وطن

ان کے اجداد شیراز میں رہتے تھے۔ بعد میں ہرات میں رہنے لگے۔ جہاں سے قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین ۹۰۶ھ میں قندھار تشریف لائے۔

سندھ میں آمد

قاضی سید شکر اللہ قندھار میں ۲۱ برس تک رہے۔ اس کے بعد مرزا شاہ بیگ ارغون کے ایما سے بسلسلہ تجارت ۹۲۷ھ میں سندھ میں آئے اور ٹھٹھ میں سکونت اختیار کر لی، وہ صاحب علم و فضل ہونے کے ساتھ بڑے متقی اور دیندار تھے۔ مرزا شاہ بیگ کے بعد جب مرزا شاہ حسن ارغون سریر آرائے سلطنت ہوا، اس وقت قاضی صاحب کو ٹھٹھ کی مسند قضا پر فائز کیا گیا۔

ایک دفعہ شاہ حسن نے چند تاجروں سے کچھ گھوڑے خرید گئے اور قیمت دینے میں جان بوجھ کر اتنا تساہل کیا کہ تاجر مایوس ہو کر قاضی سید شکر اللہ کی عدالت میں دعویدار ہوئے۔ قاضی نے بادشاہ کو بحیثیت مدعا علیہ کے عدالت میں طلب کیا، اور جب وہ آیا تو اس کو مدعیوں کے مقابل بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دعوے کی مسل پیش ہوئی، بادشاہ نے دعوے کی صحت کا اقرار کیا، اور مدعیوں کو رقم دے کر راضی کر لیا، اس کے بعد قاضی موصوف مسند سے اٹھے اور آگے بڑھ کر آداب سلطنت بجا لائے اور بادشاہ

کو اپنی مسند پر لاکر بٹھایا۔ مرزا حسن نے اپنے قبا میں چھپائی ہوئی ننگی تلوار نکال کر قاضی صاحب کے سامنے رکھ دی، اور کہا کہ اگر آج فیصلے سے پہلے آداب سلطنت کو بجالاتے اور میرے درجے کو ملحوظ کر کے مجھے مدعیوں کے ساتھ نہ بٹھاتے تو اس تلوار سے آپ کا سر قلم کر دیتا۔ کچھ عرصہ کے بعد سید صاحب نے استعفا دے دیا۔ اور شاہ حسن نے محمد اوچی کو بلا کر ان کی جگہ مقرر کیا۔

جن کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام لکھتا ہے کہ۔

قاضی شیخ محمد اچہ منسوب بآل جعفر از مشاہیر علمائے زمانہ است تخت ازہرات بہ اچہ بوسیدہ بود، در عہد جام نظام الدین چوں سید میران محمد مہدی جون پوری وارد ٹھٹھ گردیدہ وعلماء زماں بر و نسبت تکفیر بستند، نام مردہ کہ معنی رے داشت و مقامات اہلِ حال مطلع بود حجت اہل ظاہر را در تکفیر آں دلی اکمل بود، الیق رو نمود، سید میراں بجاش متوجہ گردیدہ دعالے بالش زندگی و دوام آثار سترگی بادلاوش کرد، ازانست کہ خاندان آن بزرگ بوجود حوادث مشی ہرگز انقلاب زدہ نمی شود، بالجملہ قاضی معز اللہ بعد ہجرت اوچہ و ملتان بھکر متوطن گردیدہ بنابر کثرت شہرت منسوب باچہ ماندہ وقتے کہ قاضی سید شکر اللہ شیرازی استعفار خدمت قضا ٹھٹھ، چنانچہ سبق ذکر یافتہ، درخواست واز شاہ حسن حسب تجویز قاضی میر مذکور کہ در وطن قدیم ہرات ہم از اسلاف رابطہ خاص داشتہ و باحیار آن رابطہ ایجا نیز قرب مقابر و پیوند صورت باب گردید۔ ویرا طبید بآں منصب جلیل القدر مختص فرمود بہ برکت قدم نجابتش و دعائے میران سید مہدی جون

پوری آں منصب بتوارث وقف اولادش است در ابتدائے حکومت میرزا عیسیٰ ترخان سجل جیاتش در نور دیدہ شد دو پسر والا گہر از مخلف ماندند۔"

اس کے بعد آپ کی اولاد کا تذکرہ ہے۔[1]

اجداد سید شکر اللہ نے ٹھٹھ کے ایک انصاری خاندان میں شادی کی۔ جس سے سید ظہیر الدین پیدا ہوئے۔ سید ظہیر الدین کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام رقم طراز ہے کہ:

قائم مقام پدر بزرگوار گردیدہ، فضیلت و حکمت نیک اندوختہ و ظاہرش بہ تقویٰ و تشرع و تدریس و باطن بہ سلوک راہ فقر و سبیل سنت اجداد مصروف بودہ۔[2]	اپنے والد کے جانشین ہوئے ہر طرح کی فضیلت و حکمت کے حامل بنے اور ظاہری طور پر شریعت کی پابندی اور باطنی اصلاح میں اپنے اجداد کے طریقہ پر قائم رہے۔

تاریخ ظاہری کا مصنف ان کو اس طرح یاد کرتا ہے۔

گوہر بحر عزت و سیادت، در معدن بلاغت و فصاحت جامع العلوم موشگاف معانی میر ظہیر الدین[3]	میر ظہیر الدین عزت و سعادت اور بلاغت و فصاحت میں یکتا اور جامع علوم تھے۔

آپ کے دو فرزند ہوئے ایک سید شکر اللہ ثانی، دوسرے سید عبدالرحمٰن

سید شکر اللہ کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہے۔

باوصف جد و پدر متصف بر آمدہ نامدار روزگار زیست۔	اپنے دادا اور والد کے اوصاف کے حامل تھے۔

انہوں نے ایک مسجد بھی بطور یادگار اپنے محلہ میں بنوائی، ان کے چار

---

[1] و [2] تحفۃ الکرام قلمی ص ۶۵۱ و ص ۵۴۳ [3] ظاہری قلمی ص ۱۱

بیٹے ہوئے، سید محمد حسن، سید نور محمد، میر سید ظہیر الدین جادم ثانی، سید لطف اللہ، سید نور محمد جن کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہے کہ :

در وقت خود مظہر اتم علم و عرفان و مرجع اکمل دین و ایقان زیستہ

اپنے وقت میں علم و عرفاں کے لحاظ سے ممتاز تھے۔

ایک فرزند ہوا سید نظام الدین اول جو کہ بقول تحفۃ الکرام :

در مناظم فضل و کمال او فق اہل حال و قال گشتہ۔

اپنے وقت کے ممتاز لوگوں میں ممتاز اور صاحب حال و قال تھے۔

ان کے چار بیٹے ہوئے سید نعمت اللہ، سید محمد نور ثانی، سید فضل اللہ اور سید محمد شفیع۔

سید نظام الدین ثانی

سید نور محمد ثانی کے دو فرزند ہوئے سید ابو القاسم اور سید نظام الدین ثانی، یہی سید نظام الدین ثانی فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں سے ہیں میر علی شیر قانع ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

سید نظام الدین ثانی در فقہ او فق امام در علوم اعلم کرام بر آمدہ و بجد بہ طبع گرائیدہ سوئے جہان آباد شدہ، در فتاویٰ عالم گیری بسا مشکل کل سائر علماء کردہ از نظر بادشاہ بگذشت و استدعائے منصب کرد، بادشاہ مطابق ضابطہ کہ اہل فضل را باسم نوکری نخواندندے ازاں ابا فرمودہ تکلیف قبول معاش نمودہ سید رضا نداد عن قریب آنجا سفر آخرت[1] گزید۔

سید نظام الدین ثانی علم فقہ اور دوسرے علوم میں ممتاز تھے وہ دہلی آئے اور فتاویٰ عالم گیری کے بعض مشکل مقامات جن پر تمام علماء کی نظر پڑ چکی تھی عالم گیر کی بھی اس پر نگاہ پڑ گئی انہوں نے کسی منصب کی خواہش کی بادشاہ عالم گیر اہل علم کے نوکری کے لفظ کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے قبول معاش کی تکلیف دی۔

آپ کی اولاد ان کے دو فرزند ہوئے، ایک سید عرب شاہ، دوسرے سید احمد، سید عرب شاہ آخری زمانے میں مجذوب

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی ص ۲۴۲ھ

ہو گئے اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ سید احمد کے ایک بیٹا سید عطار اللہ ہوا۔ جس نے شادی کی اور صاحب اولاد بھی ہوا، لیکن عین جوانی میں یہ بھی مجذوب ہو گئے۔

اجداد ان کے اجداد میں میر نسیم الدین اور عطار اللہ، جمال الدین، نیز ان کے عم بزرگوار امیر اصیل الدین کا تذکرہ قاضی نور اللہ شوستری نے حبیب السیر کے حوالہ سے مجالس المومنین میں کیا ہے، صاحب تحفۃ الکرام نے دوسری جلد میں انہی حوالوں سے ان کے حالات بیان کئے ہیں۔

غرض سید نظام الدین مؤلف فتاویٰ عالم گیری کا تمام خاندان شیراز اور قندھار سے لے کر سندھ تک کئی صدی برابر علم و فضل کے دریا بہاتا اور دین کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا۔

۲۔ قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی

سید نظام کے بعد فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی کا نام آتا ہے۔ یہ بزرگ بھی سندھ کے مشہور مردم خیز اور تاریخی شہر ٹھٹھ کے باشندے تھے۔

یہ ٹھٹھ کے مشہور عالم اور بزرگ علامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے جن کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہے کہ:

جامع فضائل قدسیہ عادی معارف الٰہیہ محل زیور ورع و تقویٰ بودہ ہموار بدرس علامہ اشتغال درزیدے (ص ۲۶۰ قلمی)

ہر طرح کے فضائل اور معارف سے آراستہ تھے زہد و تقویٰ کے ساتھ درس و تدریس کا بھی مشغلہ رکھتے تھے۔

تاریخ معصومی[1] اور ماثر رحیمی[2] میں بھی تھوڑے سے تغیرو تبدل کے ساتھ اسی طرح ان کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ مرزا عیسیٰ اور میرزا باقی ترخان کے معاصر تھے، ان کے فرزند مخدوم ابوالخیر کے لئے تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ:

درزمانہ خویش طالب علم کامل برآمدہ در فتاویٰ عالم گیری شریک استنباط مسائل شدہ[3]

اپنے زمانہ میں جامع علم تھے اور فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں شریک ہو کر استنباط مسائل سے سرفراز ہوئے۔

ان کے ایک فرزند ملا محمد اسحٰق تھے جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھے، ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا جس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

۱؎ معصومی ڈاکٹر عمر محمد داؤد پوتہ ص ۲۱۷

۲؎ ماثر رحیمی ص ۳۳۸ بنگال

۳؎ تحفۃ الکرام ص ۲۶۰

قاضی سید عنایت اللہ مونگیری

مؤلف فتاویٰ عالم گیری

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی ورناکلر سوسائٹی

احمد آباد

عرصہ سے تین چیزوں کے متعلق معلومات فراہم کر رہا تھا، اول عالم گیر کے مخطوطات قرآن، یعنی عالم گیر کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن اس وقت کہاں کہاں ہیں، دوم عالم گیر کے استاذ کون کون تھے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں کون کون لوگ شریک تھے۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ برادرم مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی نے مؤخر الذکر عنوان پر قلم اٹھایا، انہوں نے سولہ اشخاص کے نام پیش کئے ہیں اور ایک نام کا اضافہ پھلواری کے ایک صاحب قلم نے کیا ہے۔

راقم الحروف نے جن اشخاص کے نام جمع کئے تھے، ان میں سے اکثر تو معارف میں آ گئے، لیکن کچھ نام باقی رہ گئے ہیں، جن کے متعلق ابھی تحقیق باقی ہے۔

۱۔ امیر میران علامہ ابو الفرج معروف بہ سید معدن (حیات جلیل بلگرامی ص ۱۲) صدن ضلع فرخ آباد میں مدفون ہیں۔

۲۔ شاہ عبدالرحیم صاحب جو مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے والد ماجد ہیں، اگو وہ اس مجلس میں زیادہ دن شریک نہ رہے۔

۳۔ ملا جمیل جونپوری (تذکرہ علمائے جونپور ص ۸۸)

۴۔ ملا غلام محمد قاضی القضاۃ لاہوری جو ملا جیب استاذ شاہزادہ عظیم الشان بن بہادر شاہ بن عالم گیر کے بھانجے تھے۔ شہر گھاٹی[۱] کے باشندے ہیں (آثار شرف قلمی ص ۱۸، بحوالہ ندیم گیا جولائی ۱۹۴۲ء)

۵۔ قاضی سید عنایت اللہ مونگیری (ہندوستان کے مدارس اسلامی ص ۵۱)

ان میں سے مؤخرالذکر بزرگ جناب قاضی عنایت اللہ صاحب مونگیری کے کچھ حالات فراہم ہوئے ہیں، وہ ذیل میں پیش ہیں، جناب قاضی صاحب کا نسب نامہ ذیل میں پیش ہے۔

قاضی صاحب کا نسب نامہ

قاضی سید عنایت اللہ بن قاضی سید عبدالنبی بن سید عبدالسلام بن سید شاہ جمال الدین بن سید شاہ احمد جاجنیری بانی خاندان بارہ گانوں دسورج گرڑھا۔

سید عنایت اللہ صاحب خاص سورج گرڑھا محلہ چک مسکن ضلع مونگیر میں پیدا ہوئے، تقریباً ۱۰۵۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی، ابتدائی کتابیں اسی جگہ پڑھیں، ان کے والد ماجد قصبہ سورج گرڑھا اور گجرہ کے قاضی تھے۔ اور گو برائے نام سہی، مگر اس وقت تک اس خاندان میں قضارت چلی آتی ہے غرض اس عہد کے دستور کے مطابق متوسط درجہ کی تعلیم حاصل کر کے وہ دہلی

---

[۱] شہر گھاٹی ضلع گیا سے جنوب کی طرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک مردم خیز خطہ ہے۔

پہنچے، شام کا وقت تھا، ایک شخص کے مکان پر شب باشی کی اجازت مانگی، اس نے ان کا حال سنکر اجازت دے دی اور کھانا بھی کھلایا، رات جب زیادہ ہوئی تو مالک مکان چراغ گل کر کے اندر جانے لگا، سید صاحب نے کہا کہ مجھے قرآن پڑھنا ہے، میں سوتے وقت چراغ گل کر دوں گا۔ وہ اندر چلا گیا، اور سید صاحب دیر تک قرآن پڑھتے رہے، یہاں تک کہ کوتوال شہر گشت کرتے ہوئے ادھر آنکلا، چونکہ سید صاحب بہت ہی خوش الحان تھے اس لئے وہ دیر تک کھڑا ان کا قرآن کا پڑھنا سنتا رہا، پھر سامنے آکر اس نے تمام حالات سے آگاہی حاصل کی، صبح کو اس کوتوال نے ان کو طلب کر کے مزید تحقیق کی، اور جب اس کو ان کے علمی ذوق کا یقین آگیا، تو اپنی سفارش سے شاہی مدرسہ میں داخل کرادیا۔

اس مدرسہ میں کب تک تعلیم پاتے رہے، یہ معلوم نہیں لیکن اختتام تعلیم کے بعد ان کی علمی استعداد کی بنا پر اسی مدرسہ میں معلم کے عہدہ پر ان کو مامور کیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب ان کے علم و فضل کا چرچا پھیلا، تو ان کو فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین میں شامل کر لیا گیا اور غالباً آخر تک (۱۰۸۶ھ) اس کام کو سرانجام دیتے رہے۔ کیونکہ اس کے بعد وہ پھر شاہی مدرسہ کے مدرس ہو گئے، اور ۱۰۹۹ھ تک اس پر مامور رہے۔

اس دوران ان کے والد سید عبد النبی صاحب کا جو سورج گڑھا اور کجرا کے قاضی تھے، انتقال ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ تک یہ جگہ خالی رہی، پھر شرفائے سورج گڑھا کی درخواست پر سید عنایت اللہ صاحب کو ان کے والد بزرگوار کی جگہ پر قاضی بنا کر بھیج دیا گیا۔ اور محکمہ قضارت کی سند عطا کرتے وقت شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دو عدد حمائل (قرآن مجید)

قاضی صاحب کو عنایت فرمائی، جس کے اوراق نامساعدت زمانہ سے منتشر ہو گئے۔

قاضی صاحب اپنی وفات تک اس عہدہ پر فائز رہے، اور سورج گڑھا چک سکن ہی میں وفات پائی، جہاں ان کا پختہ مزار آج تک موجود ہے، عہدۂ قضا پر سرفراز کرتے وقت جو فرمان قاضی صاحب کو عنایت ہوا وہ آج تک محفوظ ہے [۱]

اس کے بعد مدار المہام جملۃ الملک اسد خاں وزیر اور فاضل خاں صدر الصدور کی دستخط اور تصدیق ہے! اس فرمان سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ سند پاتے وقت وہ دہلی میں عالم گیر کی ذات سے متعلق کسی محکمہ میں تھے عام طور پر مشہور ہے کہ مونگیر کے ایک عالم بھی فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں شریک تھے۔ (دیکھو ہندوستان کے مدارس اسلامی ص ۵۱)

لیکن سورج گڑھ میں خاندانی روایات کی بنا پر بوثوق کہا جاسکتا ہے کہ محکمۂ قضارت میں آنے سے قبل وہ اس مجلس تدوین کے رکن تھے۔ مراۃ العالم میں ہے کہ اس مجلس کے صدر ملا نظام الدین تھے، اور ان کے ماتحت چار اور عالم تھے۔

۱۔ قاضی محمد حسین جونپوری محتسب عسکر۔
۲۔ سید علی اکبر سعد اللہ خانی۔
۳۔ ملا شیخ محمد حامد جونپوری، تلمیذ میر زاہد کابلی۔
۴۔ ملا محمد اکرام اللہ معلم شاہ زادہ محمد کام بخش۔

ان میں سے ہر ایک کے سپرد ایک ربع تھا۔ معلوم نہیں قاضی صاحب

---

[۱] کتاب الحیات بعد الممات دہلی

ان میں سے کس کے ماتحت تھے۔[1]

مکرمی سید وجاہت حسین ساکن سورج گرڈھا چک مسکن ضلع مونگیر فرماتے تھے کہ ایک دوسری دستاویز بھی خاندان میں موجود ہے جس میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ قاضی صاحب مدونین فتاویٰ میں شریک تھے، لیکن افسوس ہے کہ تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی، اور اس کے بعد ہی موصوف کا انتقال ہو گیا۔

---

[1] بحوالہ تاریخ برہان پور